عیدالاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیۤ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّہٗ لِلۡجَبِیۡنِ وَنَادَیۡنٰہُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِیۡنُ وَفَدَیۡنٰہُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ وَتَرَکۡنَا عَلَیۡہِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ (صافات:۱۰۲-۱۰۹)

تو ابراہیم نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لایئے ان شاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ غرض جب دونوں مطیع ہوگئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی کے بل گرا دیا، تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔ اور ہم نے ان کا ذکر پچھلوں میں بھی باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو۔

پیغمبر کا خواب، اور وحی حکم الٰہی ہی ہوتا ہے۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی امتثال امر الٰہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟ ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جبینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جبهة) اس لیے (للجبین) کا زیادہ صحیح ترجمہ کروٹ پر ہے یعنی اس طرح کروٹ پر لٹا لیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ ''پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا'' ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انھیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امر الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے، کیونکہ اس سے واضح ہوگیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے، حتی کہ اکلوتا بیٹا بھی۔ یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخرو رہا۔

یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسماعیل کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عیدالاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

(سورہ الصافات: آیت ۱۰۲-۱۰۹ تفسیر احسن البیان)

درس حدیث

وقوف عرفہ کی اہمیت

محمد اظہر مدنی

''عن عبدالرحمن بن يعمر قال شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو واقف بعرفات وأتاه ناس من أهل نجد فقالوا يا رسول الله كيف الحج فقال: ''الحج عرفة من جاء قبل صلاة الفجر من ليلة جمع فقد تم حجه''(اخرجہ الدارقطنی والبیہقی)

ترجمہ: عبدالرحمن بن یعمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں قیام فرما تھے، اسی دوران نجد کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حج وقوف عرفہ کا نام ہے۔ کہ جو شخص نماز فجر سے پہلے حاضر ہوا تو اس کا حج مکمل ہو گیا۔

تشریح: حج اسلام کا عظیم الشان و مہتم بالشان رکن رکین ہے۔ اس عبادت میں تمام عبادات رئیسہ کا انضمام و اجتماع ہے۔ اس کے متعلقات، شعائر و مقدسات، مناسک و احکام، ارکان و فرائض اور واجبات و مستحبات کی کثرت کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''الحج عرفۃ''۔

دراصل حج وقوف عرفہ کا ہی نام ہے۔ گویا اس کے ارکان اور اجزاء رئیسہ تو بہت اور اہم ترین ہیں مگر ان میں بھی وقوف عرفہ سب سے اہم ہے اور اس کے بغیر حج کا تصور ہی نہیں ہے۔ اور عام بول چال اور شریعت کی زبان میں بھی اس طرح کے اہمیت آمیز کلمات اور ارشادات وارد ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً قیام اللیل۔ حالانکہ قیام کے علاوہ بھی نماز میں رکوع و سجود وغیرہ ارکان موجود ہیں۔ گویا طویل قیام ہی مقصود اور مرغوب ربانی ہے اور عبودیت سبحانی ہے۔ اس لیے الحج عرفہ فرمایا گیا ہے۔ جو کوئی بھی دسویں تاریخ کی نماز فجر سے پہلے عرفہ پہنچ گیا اس کا حج ہو گیا۔

دراصل عرفہ کا دن اور اس کا مقام و مرتبہ اللہ کے یہاں عظیم تر ہے۔ جہاں تک اس اجتماع کی عظمت شان اور اس دن و مقام پر اس میں وقوف کی اہمیت کی بات ہے تو یہ اس حدیث پاک سے ہویدا ہے۔ اس لیے آپ نے وقوف عرفہ کو ہی حج قرار دیا ہے۔ حالانکہ دیگر ارکان و شعائر اور مناسک حج کی ادائیگی از حد ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

عرفہ کا دن تمہارے لیے بہترین دن ہے۔ اور عرفہ کے دن کی دعا سب سے اچھی دعا ہے اور ہم نے اور ہم سے قبل نبیوں نے عرفہ کے دن جو سب سے اچھی دعا مانگی وہ ''لا اله الا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو على كل شئى قدير'' ہے (موطا و ترمذی) ''اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اسی کی حمد اور بڑائی ہے، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی مارتا ہے اور وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

اس دن اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو اس کثرت سے بخشتے اور معاف فرماتے ہیں کہ شیطان سراسیمہ ہو کر بدحواسی میں اس قدر ذلیل و خوار ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اتنا کمتر، اتنا ذلیل اور اتنا دھتکارا ہوا کبھی بھی نہیں دیکھا گیا۔ یہ عظیم الشان دن اپنے اندر دینی و دنیوی، تعبدی و انتظامی، روحانی، معنوی و ظاہری، عجز و انکساری اور تزک و احتشام کا بیک وقت اجتماع ہوتا ہے کہ اجتماعی و انفرادی طور پر تمام انحائے عالم اور اقصائے دنیا سے مومنین و موحدین ایک میدان میں، ایک رنگ میں اور ایک ڈھنگ سے اللہ کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو کر اس عالمی اجتماع میں اپنے رب کو منا لیتے ہیں اور قرارداد پاس کر کے ساری دنیا کو اپنے سمیت بھلائی کی راہ پر گامزن ہو جانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جہاں اپنے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے گناہوں سے نومولود بچے کی طرح پاک و صاف ہو کر خود جنت کے مستحق بن جائیں وہیں قومی و ملی اور ملکی و بین الاقوامی طور پر بھی تمام فروگذاشتوں اور تقصیرات سے رجوع کر کے امن و اطمینان اور استحکام عالم کے لیے دعا گو رہیں۔ یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کے روزہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے ''سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صيام يوم عرفة فقال يكفر الله به السنة التي قبلها والتي بعدها'' (احمد، ترمذی، مسلم نحوہ) ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن کا روزہ رکھنے کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حج بیت اللہ کی توفیق عطا کرے اور حج و قربانی اور یوم عرفہ کی نیکیوں اور سعادتوں سے فیضیاب فرمائے۔ آمین

مدیر مسؤل
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی
نائب مدیر: مولانا خورشید عالم مدنی   مدیر اعزازی: مولانا رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
مجلس ادارت
مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی   مولانا شہاب الدین مدنی   ڈاکٹر سعید احمد مدنی
مولانا اسعد اعظمی   مولانا طہ سعید خالد مدنی   مولانا انصار زبیر محمدی

اس شمارے میں

درس حدیث	۲
اداریہ	۳
ذی الحجہ کے فضائل اور قربانی کے کچھ اہم مسائل	٦
ابراہیم علیہ السلام کی زندگی مثالی کیوں؟	۱۴
عید قرباں کا پیغام	۲۰
عیدین کے احکام ومسائل- کتاب وسنت کی روشنی میں	۲۴
یہ تاریخی ویگانہ زمانہ کارنامہ	۲۹
مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز	۳۱
ایک اعلیٰ سطحی وفد متعدد صوبوں کے دورے پر	۳۲

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک
سالانہ ——— ۱۵۰/روپے
فی شمارہ ——— ۷/روپے
پاکستان ——— ۵۰۰/روپے
بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ۳۵ ڈالر یا اس کے مساوی
مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند
اہل حدیث منزل ۴۱۱٦، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰٦
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

اداریہ

اصغر علی امام مہدی سلفی

اس سچائی کا سامنا کریں

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں میں ادنیٰ نا چاقی اور نفرت نہ ہو۔ ہمارا خاندان باہم شیر وشکر رہے۔ ہمارا سماج مربوط ومضبوط رہے۔ ہماری جماعت و جمعیت منظّم وقوی تر رہے۔ ہمارا مسلم معاشرہ سالم رہے اور ترقی کی طرف گامزن ہی نہیں تیز گام رہے۔ ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم وتربیت سے آراستہ ہوں اور نشو ونما بھی ان کی انتہائی بہتر اور شاندار ہو۔ یہاں تک تو سب کچھ ٹھیک سوچتے ہیں۔ مگر گڑ بڑ اس وقت ہونے لگتی ہے جب ہماری یہی سوچ دوسروں کے بچوں، دوسروں کے عزیزوں، دوسرے سماج اور دوسری جماعت وملت اور ملک کے لیے نہیں رہتی۔ یہ سوچ دور اور دیر تک تعمیر وترقی کے لیے اچھی علامت نہیں ہے۔ پھر بھی کسی مرحلے میں اسے گوارہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ سوچ اور فکر اگر یہ رخ اختیار کرلے کہ ہم ترقی تو کریں مگر دوسرے پیچھے رہ جائیں اور ہمارے بچے پھلیں پھولیں مگر دوسروں کے بچے مرجھا جائیں اور کھل نہ سکیں تو ظاہر ہے کہ ترقی کی راہ ہم نے مسدود کردی۔ اور اگر یہ روح اور تنگڑی ہوجائے اور سوچ کا دھارا عملی شکل اختیار کرلے کہ دوسروں کی ترقی کی راہ میں ہم رکاوٹ بننے لگیں یا ان کو زیر وزبر کرنے کی سعی فرمانے لگیں تو یہ بہت بڑا اور عظیم نقصان ہے اور یہیں سے ترقی معکوس شروع ہوجاتی ہے۔ سچائی تو یہی ہے کہ ہم جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہ دوسروں کے لیے بھی پسند کریں۔ اور اپنے اور اپنوں کے لیے جو ناپسند کرتے ہیں دوسروں کے لیے ٹھیک اسی طرح کی نیت وجذبہ رکھیں اور یہی انسان کا حقیقی جوہر اور انرجی ہے۔ اسی کو ایک حدیث پاک میں یوں بیان کیا گیا ہے: ''لا یومن احدکم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه'' (متفق علیہ) ''تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے'' اور اس راز اور حقیقت کو جو جان جاتا ہے وہی کامیاب اور ایماندار انسان ہے۔ اسی میں قلب وجگر کا اصلی سکون ہے، اسی میں ترقی کا راز مضمر ہے، اسی سے فرد وجماعت اور قومیں پروان چڑھتی ہیں، یہ دنیائے دنی جنت نشاں بن

جاتی ہے اور خاک نشیں بالانشیں ہوجاتا ہے۔ جس سچائی کا سامنا کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم بھی صرف اپنے لیے سوچتے ہیں۔ اور اگر اوروں کے لیے سوچتے ہیں تو برا سوچتے ہیں۔ لیکن لوگوں سے اچھائی کی توقعات اور امیدیں رکھتے ہیں اور دو قدم آگے بڑھ کر اپنے بارے میں ان کی اپنی جیسی اس سوچ پر ناراض ہوتے ہیں، سخت تنقیدیں کرتے ہیں اور ہر طرح کی برائی اور پسماندگی کا پیش خیمہ گردانتے ہیں۔ اگر یہی کچھ سب کرنے لگ جائیں تو دنیا کا کیا حال ہوگا۔ زندگی اجیرن ہوجائے گی، سماج میں رہنا دوبھر ہوجائے گا، جیسا کہ کچھ نہ کچھ اس کا خمیازہ آج بھی بھگت رہے ہیں۔ پھر اس سچائی کا سامنا کرنے سے گریز کررہے ہیں۔ یوں بھی ''خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت'' بدترین بیماری ہے۔ یہ بھی ''ہم چنیں دیگرے نیست''، انا، خود پسندی اور انانیت، بیجا تعلی اور حد سے زیادہ توقعات کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہ جہاں جہاں جاتا ہے اور جس دل وسماج میں سماتا ہے ناسور بن کر جسم انسانی اور روح معاشرہ وملک وملت کو تباہ کردیتا ہے۔ آج ہر سطح پر اسے محسوس کیا جارہا ہے۔ حتی کہ قریبی رشتہ داروں میں باشکال جدیدہ ومختلفہ سو بھیس بنا کر در آیا ہے۔ اس لیے جوں جوں بنانے اور سنوارنے اور سدھارنے کی بات آتی ہے روز افزوں بگڑتی چلی جاتی ہے۔

ہمارا غیر بھی صرف اپنے لیے سوچتا ہے۔ ہم غیروں کا بھلا نہیں چاہتے تو وہ ہمارا بھلا کب چاہنے لگا؟۔ ہم موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ سب کچھ بلا شرکت غیرے ہمارا ہی ہوجائے۔ دوسرے کو بھی تو یہ حق ہونا چاہئے اور جس دن اور جس فرد ومعاشرے میں یہ فکر جاگزیں ہوگئی سمجھ لیجئے کہ بہت سے مسائل یونہی حل ہوگئے۔ یہاں یہ مثبت اشکال پیدا کیا جاسکتا ہے جس کی وجہ بسا اوقات کم فہمی یا لاعلمی ہوسکتی ہے وہ یہ کہ ہم اپنی بھلائی دین وایمان اور حق اور اچھائی کی بنیاد پر چاہتے ہیں چونکہ ہم حق پر ہیں۔ اس لیے اہل حق کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے بہترین صلہ کی امید رکھیں اور آرزو کریں۔ برخلاف دوسروں کے جن کے بارے میں ہم بھلا نہیں سوچتے یا ان کا برا چاہتے ہیں یا ان کے خلاف اقدام بھی کرتے ہیں کہ وہ نہ پھلیں پھولیں تو یہ بھی ایک طرح سے حق کی طرفداری اور باطل اور بُرے لوگوں سے بیزاری وبرأت کی دلیل ہے۔ بھلے کے لیے بھلا چاہیں اور برے کے لیے بھی تو یہ شرعاً وعقلاً محال، مشکل اور باطل لگتا ہے۔ اس سلسلہ میں حق اور اہل حق سچ اور سچوں سے محبت اور باطل اور باطل پرستوں کے ساتھ یکساں برتاؤ عقل ومنطق کے قبیل سے ہے نہ دین وایمان کے قبیل سے، پھر برائی سے نفرت اور باطل سے بیزاری کے کیا معنی رہ جائے گا؟۔ بلکہ حق وباطل گڈمڈ ہوکر رہ جائے گا۔

دراصل اس طرح کے اشکالات ولاء وبراء اور خیر وشر کی حقیقت اور اس کے استعمال اور جس کی خاطر اور جس کی مرضی کے لیے یہ سب کرتے ہیں اسے نہ سمجھنے کی وجہ سے یا اس پر ایمان کامل اور حقیقی شکل وصورت نہ پہنچاننے کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ اہل اسلام یا کسی بھی عقل ومنطق اور صحیح فکر وخیال میں یہ وسوسہ نہیں آسکتا کہ ہم حق پرستی اور باطل سے نفرت کی وجہ سے لازما باطل پرستوں اور بروں سے نفرت کرنے لگیں، باطل کو مٹانے کے لیے اہل باطل کا صفایا کریں۔ یہ تو بسا اوقات جس حق کی سربلندی اور تعمیر وترقی چاہتے ہیں اس کے بالکل برعکس ہے۔ کیوں کہ اپنے مشن اور مقام ومرتبے اور منصب ومقصد سے دوری اور مجبوری ہے۔ سچ ہے:

دھو شوق سے دھبے کو پر اتنا نہ رگڑ
دھبہ رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

آپ انصاف اور عقل سے بتائیے کہ اگر آپ کی یہ منطق چل جائے تو کیا تن وبدن ڈھکنے کے لیے کوئی کپڑا بچ جائے گا۔ جسم سے داغ دھبے مٹانے کے لیے کیا جسم وجان سے ہاتھ دھونا نہیں پڑے گا؟ کیا موذی مرض سے شفایاب ہونے سے پہلے ہی ہمارے جسم کا وجود ختم نہیں ہوجائے گا؟ اور ایسا کون سا عقلمند ہے جو گوارہ کرلے۔ آپ آنکھ کے تنکے کو صاف کرکے آنکھ ہی کھو بیٹھیں، ایسا کبھی کوئی دانا کرتا ہے اور کیا وہ بینا کہلائے گا؟ بلکہ اندھوں میں شمار کیا جائے گا۔ دراصل معاشرے کی برائیاں، اس کی خامیاں اور اس کے امراض اور بیماریاں جو اس کے لیے بسا اوقات ناسور بن جاتی ہیں اور زندگی اجیرن اور بے مقصد ہوکر رہ جاتی ہے، ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایسا تو نہیں کہ ہم معاشرہ اور سماج کو ہی نیست ونابود کردیں اور پودوں کے پاس اُگے ہوئے جھاڑ جھنگار سے نجات کے لیے پودوں پر ہی آرہ وتیشہ چلا ڈالیں؟!۔

حق تو یہ ہے کہ اگر ہم واقعی اپنا بھلا چاہتے ہیں تو سب کا بھلا چاہیں ورنہ اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا، اگر چاروں طرف گندگی اور بدبو کا بھبکا پھوٹ اور اُٹھ رہا ہو تو آپ اکیلے کتنا خوشبوؤں کو بکھیرتے رہیں گے۔ مہلک ومتعدی امراض کا طوفان آیا ہو اور طاعون کی شکل اختیار کرلے تو آپ اکیلے کتنے دنوں صحت مندرہ سکیں گے۔ اس لیے ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ

وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ''(التحریم:٦)''اے ایمان والو!تم اپنے آپ کواور اپنے گھر والوں کواس آگ سے بچاؤ'' کے فریضے کوادا کرتے رہیۓ اور''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ''(الحجر:٩٤)''پس آپ اس حکم کو جوآپ کو کیا جارہا ہے کھول کر سنا دیجئے!اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے'' کے فریضے کوبھی فراموش نہ کریں۔

سماج ہے تو اس میں منطقی طور پر برائیاں ہوں گی، افراد ہیں تو ان میں کمیاں پائی جائیں گی اور قوم ہے تو اس میں غلط عناصر کا ہونا مستبعد نہیں ہے۔ ایسے میں بھلائی اور ترقی کی راہ اور صحت مند طریقہ یہ ہے کہ ان برائیوں کا مقابلہ اچھائی سے کیا جائے۔عفو و درگزر سے کام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ جب صالح وطالح دونوں کو رزق دیتا ہے اور ان کی احتیاجات،ضرورتوں کو پوری کرتا ہے اور ان کو بھی حقِ زیست عطا کرتا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں ان سے برائی کا معاملہ کرنے والے، ان کا بائیکاٹ کرنے والے، ان سے بداخلاقی کا مظاہرہ کرنے والے اور ان کی کج ادائی اور بے راہ روی کی وجہ سے ان کو حقِ زیست سے محروم کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صاف حکم دیا ہے۔''خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ''(الاعراف:١٩٩)

ہر مصلح ومربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا مقام ومرتبہ اور اختیار ودائرہ کار کو جانے اور سمجھے کہ وہ صرف اور صرف یاددہانی وتذکیر اور پند ونصیحت کرنے کے لیے مکلّف کیا گیا ہے۔وہ حاکم یا پولیس نہیں ہے۔''فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ'' لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ''(الغاشیۃ:٢١-٢٢)''پس آپ نصیحت کردیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کچھ ان پر داروغہ نہیں ہیں''

آج ملک ومعاشرہ بلکہ عالمی سطح پر بے اعتدالیاں، بے راہ رویاں اور خارجی رجحانات اسی نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہورہے ہیں۔مقصود ومطلوب اور محمود حق کی وضاحت ہے اور باطل کا بطلان نہ کہ اہل باطل کا استیصال وخاتمہ۔''وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ، فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ''(الکہف:٢٩)''اوراعلان کردے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''۔

لیکن اس سب کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ باطل کے خلاف آواز نہیں اٹھانی چاہئے اور برائیوں کو علی الاعلان ہوتے دیکھ کر چپ شاہ کا روزہ رکھ لینا چاہئے۔ یہ کسی بھی ملک وسماج کے لیے اچھی علامت نہیں ہے۔ترقی یافتہ اور صحت مند سماج کی پہچان یہ ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کے بہی خواہ ہوتے ہیں اور اسی جذبے سے ظالم کا ہاتھ پکڑتے اور مظلوم کی دادرسی کرتے ہیں۔اور جس سماج یا معاشرے سے یہ خوبی اٹھ جاتی ہے تو وہ ترقی کی دوڑ سے پیچھے رہ جاتا ہے۔اور اس طرح سے ایک دن تباہ وبرباد ہوجاتا ہے اور تباہی وبربادی آتی ہے تو اندھی ونابینا ہوکر آتی ہے وہ کسی نیک وبد کی تمیز نہیں کرتی۔''فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ'' (الاعراف:١٦٥)'' سو جب وہ اس کو بھول گئے جوان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑلیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے''۔

یہ وہ سچائی ہے جس کا سامنا کرنا مشکل ہے لیکن ضروری بھی ہے کہ خود اچھے بنیں اور ملک ومعاشرہ کو اچھا بنانے کی کوشش کریں۔خود بھی ترقی کریں دوسروں کو بھی آگے بڑھنے دیں۔کسی کی راہ میں مزاحم نہ بنیں۔جب افراد وطن کے اندر یہ جذبہ اور رجحان توانا ہوجائے گا تو خاندان،سماج اور ملک میں اسی کی کارفرمائی ہوگی اور نفرت ودہشت کا خاتمہ ہوگا اور سب باہم شیر وشکر ہوکر آگے بڑھیں گے اور سبھی ترقی وخوش حالی سے ہمکنار ہوجائیں گے۔والسعی منا والاتمام من اللہ۔بلکہ ان تمام مراحل ومعاملات میں اسی خیرخواہی کا دور دورہ مطلوب ومرغوب ربانی اور باعث سرخروئی انسانی ہے اور بس۔كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران:١١٠)''تم بہترین امت ہوجو لوگوں کی بھلائی کے لئے برپا کی گئی ہو۔''میں یہی درس دیا گیا ہے۔اور رحمت عالم ﷺ کا من جانب اللہ یہی پیغام اور دعوت عام ہے۔

اور یہی الدین الکامل ہے۔الدین النصیحة. قلنا: لمن یا رسول اللہ؟ قال: للہ ولکتابہ ولرسولہ ولأئمة المسلمین وعامتھم'' (متفق علیہ)''دین خیرخواہی کا نام ہے، ہم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! خیرخواہی کس کے لیے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خیرخواہی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اس کی کتاب کے لیے ہے، اس کے رسول کے لیے ہے، مسلمانوں کے رہنماؤں کے لیے ہے اور عام جنتا کے لیے ہے''۔ ☆☆

ذی الحجہ کے فضائل اور قربانی کے کچھ اہم مسائل

دکتور/عبیدالرحمٰن بن محمد حنیف

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الأمين وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم بإحسان الى يوم الدين، وبعد:

اللہ رب العالمین نے ہم سب کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے، اور اس کیلئے کچھ ایسے مواسمِ طاعات ہمیں عطا فرمائے جن میں عبادت کی اہمیت بقیہ ایام کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

قارئینِ ذی احترام: انہیں مبارک موسموں میں سے ایک عظیم ترین موسم ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں جن کا رب العالمین کے نزدیک نہایت ہی اونچا مقام ومرتبہ ہے، اس کے عظیم المرتبت ہونے کی وجہ سے ایک جگہ رب العالمین نے ان دس دنوں کی قسم بھی کھائی ہے فرمانِ باری تعالی ہے: (وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ) ''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔''

جمہور مفسرین کے نزدیک فجر سے مراد یومِ عرفہ کی نمازِ فجر ہے، اور دس راتوں سے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔

رب العالمین کا ان ایام کی قسم کھانا درحقیقت ان کی بلند عظمت کی وجہ سے ہے، کیونکہ وہ عظیم چیز ہی کی قسم کھاتا ہے، جیسے: عظیم ترین مخلوقات میں: آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، اور ہوائیں، نیز عظیم اوقات میں: فجر، عصر، چاشت، رات، دن، نیز عظیم ترین جگہوں میں: مکہ مکرمہ کی قسم کھا کر ان کی عظمت وبلند مرتبت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی فضیلت:

ان دنوں میں عملِ صالح سال کے دیگر دنوں کی بہ نسبت اللہ رب العالمین کو زیادہ پیارے ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (ما العمل في ايام افضل منها في هذه، قالوا: ولا الجهاد؟ قال: ولا الجهاد إلا رجل خرج يخاطر بنفسه وماله فلم يرجع بشيء) رواه البخاري (٩٦٩) ۔ یعنی ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں انجام دیئے گئے اعمال سال بھر کے تمام دنوں میں انجام دیئے جانے والے اعمال کی بہ نسبت زیادہ فضیلت والے ہیں، صحابہ کرام نے عرض کیا: جہاد بھی اس سے افضل نہیں؟ فرمایا: جہاد بھی نہیں، ہاں البتہ اگر کوئی شخص جان ومال سے نکلے، پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہ آئے، یعنی شہید ہوجائے۔

اس روایت کی مزید تاکید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

(افضل ايام الدنيا ايام العشر) **رواه البزار۔ وصححه الألباني كما في صحيح الجامع الصغير** (١١٣٣)۔ یعنی ذی الحجہ کے یہ دس دن دنیا کے دنوں میں سب سے افضل ہیں۔

حافظ ابن رجب اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: ''یہ حدیث نص ہے کہ مفضول کام بھی فضیلت والے اوقات میں افضل ہوجاتا ہے، جیسا کہ ذی الحجہ کے ان ابتدائی دس دنوں میں انجام دیئے گئے اعمال تمام فاضل اعمال پر فائق ہونگے سوائے اس مجاہد کے جو راہِ حق میں شہادت کے منصب پر فائز المرام ہوچکا ہو۔ دیکھئے **فتح الباری** (٦۔١١٥)۔

درحقیقت یہ عظیم فضیلت ان اعمالِ جلیلہ کی وجہ سے ہے جو ان ایام میں انجام پاتے ہیں، جن میں سرِ فہرست حج جیسی عظیم عبادت ہے، جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(من حج هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته امه)، (**بخاری** ١٨٢٠، **ومسلم** ١٣٥٠)۔

یعنی جس شخص نے بیہودہ گوئی اور ہر طرح کے گناہ سے بچ کر حج کیا وہ حج کے بعد اس طرح لوٹتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

گناہوں سے بچ کر سنتِ نبوی کے مطابق کیا گیا حج ہی حجِ مبرور ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

(والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة)، (**بخاری**١٧٧٣، **ومسلم**١٣٤٩)۔ یعنی حجِ مبرور کا بدلہ جنت ہے۔

نیز حج گناہوں کے مٹانے کا سبب ہے جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں ہے:(اما علمت ان الاسلام يهدم ما كان قبله، وان الهجرة تهدم ما كان قبلها وان الحج يهدم ما كان قبله)، (**مسلم**١٢١)، ''کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت پچھلے گناہوں کو ختم کردیتی ہے اور حج سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

عشرہ ذی الحجہ کو یہ مقام اس وجہ سے بھی ہے کہ انہیں ایام میں ایک عظیم ترین دن ہے جس میں رب العالمین اپنے بندوں سے قریب ہوکر ان کو جہنم سے آزاد کردیتا ہے جسے ہم یومِ عرفہ کہتے ہیں''، اس عظیم دن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

(ما من يوم اكثر من ان يعتق الله فيه عبدا من النار من يوم عرفة وإنه ليدنو ثم يباهي بهم الملائكة فيقول: ما اراد هؤلاء؟)، (**مسلم**١٣٤٨) ۔ کسی دن رب العالمین اپنے بندوں کو اس قدر جہنم سے آزاد نہیں کرتا جس قدر یوم عرفہ کو کرتا ہے، اس دن بندوں سے قریب ہوکر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے، اور فرماتا ہے: میرے یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟

یہی دن درحقیقت حج کا اصل دن ہے جس میں سب سے بڑا رکن وقوفِ عرفات کی ادائیگی ہوتی ہے، اس مقام ومرتبہ کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ

ارشاد فرماتے ہیں: (الحج عرفة) ، (ترمذی۸۸۹، نسائی ۳۰٤٤، وصححه الألبانی)۔یعنی حج عرفہ کا نام ہے۔

انہیں فاضل ایام میں یوم نحر بھی ہے جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: (اعظم الأيام عند الله يوم النحرثم يوم القر) ، (ابو داود ۱۷٦۷، وصححه الألبانی) ۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم نحر یعنی دس ذی الحجہ ہے، پھر اس کے بعد یوم قر یعنی منی میں ٹھہرنے (یعنی گیارہ ذی الحجہ) کا دن ہے۔

بالاختصار یہ دس دن نہایت ہی مبارک ایام ہیں جن میں رب العالمین نے جملہ عبادات قلبیہ وبدنیہ اکٹھا کردیا ہے جنہیں انجام دے کر بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتے ہوئے وسیع جنتوں کا مستحق ہوسکتا ہے۔

اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ان عظمت والے ایام میں کثرت سے نیک اعمال انجام دیں، برائیوں سے بچیں، اور کمالِ محبت اور تمام انکساری وکسر نفسی کے ساتھ رب کی اطاعت وبندگی بجالائیں، اور میدانِ عمل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی پوری جدوجہد کریں، تاکہ دونوں جہان میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہوئے اسکے عظیم عفووکرم، رحم ومغفرت کے حقدار بن سکیں۔

اور زبانِ حال سے گنگناتے ہوئے اقرار کریں:

يارب إن عظمت ذنوبي كثرة
فلقد علمت ان عفوك اعظم
إن كان لا يرجوك إلا محسن
فمن الذي يدعو ويرجو المجرم

اے میرے رب اگر میرے گناہ بہت زیادہ ہیں، تو تیرا عفوودرگزر اس سے بھی بڑھ کر ہے، البتہ اگر تیرے کرم کی امید کے طالب صرف نیک ہی لوگ قرار پائیں، تو مجرم وگناہ گار کس سے اپنی امیدیں وابستہ کریں اور کس کے در پر ندامت کے سر جھکائیں؟۔اللہ رب العالمین ہم سب کو اپنے عفوودرگزر کا اہل بنائے۔آمین۔

ذی الحجه کے ابتدائی دس دنوں میں کرنے کے کام:

قارئینِ کرام: ان فاضل ایام میں بہت سے اعمال مشروع ہیں، جن میں پنجوقتہ صلوات، زکوۃ وصدقات کے علاوہ مندرجہ ذیل عبادات انجام دینے کی طرف ہمیں بھرپور توجہ دینی چاہیئے:

۱۔ یوم عرفہ کا روزہ رکھنا غیر حجاج کیلئے مسنون عمل ہے، بلکہ اس ایک دن کا روزہ دو سال کے گناہوں کے کفارہ کا موجب ہے، جیسا کہ حضرت ابوقتادہؓ کی حدیث میں ہے: (صيام يوم عرفة احتسب على الله ان يكفر السنة التي قبله والسنة التي بعده) ، (مسلم۱۱٦۲)۔یعنی عرفہ کے دن کا روزہ سابقہ اور لاحقہ سال کے گناہوں کو ختم کردیتا ہے۔

۲۔ ان مبارک دنوں میں حجاج کرام حج بیت اللہ کے شرف سے سرفراز ہونے کیلئے آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر مناسکِ حج کا آغاز کرتے ہوئے وقوفِ عرفہ ومزدلفہ ،طواف وسعی، اور منی میں کنکریاں مارتے ہوئے اپنے حج کو مکمل کرنے کی کوششیں کرنے کے ساتھ رب کریم کے عطاء جزیل سے اپنی جھولیوں کو بھرنے کی سعی پیہم کرنی ہے۔

۳۔ان فاضل ایام میں کثرت سے رب العالمین کا ذکر کرنا محبوب ترین اعمال میں سے ہے، رب کریم کا ارشاد ہے:(لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَام) ، (الحج:۲۸)۔

(حج کرنے والے) تاکہ ہر طرح کے دینی ودنیوی نفع حاصل کریں، اور مقررہ دنوں میں پالتو چوپایوں کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں، رب کے اس عظیم فضل پر اس کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے جو اس نے پالتو چوپایوں کی نعمت سے نوازا۔

بهيمة الأنعام (پالتو چوپایوں) سے مراد: اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، اور دنبہ ہے۔

ایام معلومات سے مراد: دو مشہور اقوال کی روشنی میں یا تو ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں، یا یوم النحر اور اسکے بعد کے بقیہ ایام تشریق ہیں، جن میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔

منافع سے مراد: دینی فوائد جو مناسکِ حج وعمرہ کی ادائیگی، نماز، طواف، ذکر واذکار، صدقات وخیرات، نیز متعدد انواعِ خیر جن سے اللہ کی مغفرت اور رضا حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح دنیوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جن کا تعلق تجارت وکاروبار اور حصولِ معاش کے متعدد وسائل سے ہے۔(عام کتب تفاسیر)

دورانِ حج ذکر کا حکم دیتے ہوئے باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْن) ،(البقرة: ۱۹۸)۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو، اس کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے آپ کو ہدایت دی، حالانکہ تم اس سے پہلے گم گشتہ راہ تھے۔

مشعر حرام سے مراد: مزدلفہ ہے۔

اعمالِ حج کی تکمیل کے بعد ذکر کا حکم دیتے ہوئے رب العالمین نے فرمایا: (فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا)، (البقرة: ۲۰۰)۔

جب تم ارکانِ حج ادا کرچکو تو اللہ تعالی کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

یہ اذکار مردوں عورتوں دونوں اصناف کیلئے مسنون ہیں، حضرتِ ام عطیہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں:(كنا نؤمر ان نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها، حتى نخرج الحيض فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم، يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته)۔ (البخاری،۹۷۱)۔ ہم عورتوں کو عید کے دن عیدگاہ کی طرف جانے کا حکم دیا جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشین کنواری، اور حائضہ عورتوں کو بھی نکلنے کا حکم دیا جاتا، تاکہ وہ لوگوں کے پیچھے رہ کر ان کے تکبیر کی طرح تکبیر کہیں، اور عمومی دعاؤں میں شریک

رہیں، اس امید میں کہ اس دن کی برکت اور پاکی نصیب ہو۔

گھر، دوکان، مکان، بازار وغیرہ تمام جگہوں کو ذکر الٰہی سے آباد کرنی چاہیئے جیسا کہ ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں بازار کی طرف نکل جاتے، اور بلند آواز سے تکبیر کہتے، انکی تکبیر سن کر لوگ بھی تکبیر کہتے۔'' **(البخاری معلقا:۹۶۸)**۔

بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منیٰ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے، انکی تکبیر سن کر مسجد اور بازار کے لوگ تکبیر بلند آواز سے کرتے یہاں تک کہ منی تکبیر سے گونج جاتی۔ (مصدر سابق)۔

ابن عمرؓ ایام تشریق میں بمقام منی فرض نمازوں کے بعد، اپنے بستر، خیمہ، بیٹھک، چلتے پھرتے ان ایام میں تکبیر کہتے رہتے۔ (مصدر سابق)۔

ان مبارک ایام میں تکبیر کا یہ اہتمام خاص طور سے اس لئے بھی تھا کیوں کہ ذکر الٰہی ہی سے دلوں کو سکون واطمینان ملتا، اور فرحت وانبساط میسر ہوتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب)، **(الرعد:۲۸)**، اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

درحقیقت انسان اسی کو زیادہ یاد کرتا ہے جس سے اسے دلی انسیت اور الفت ہوتی ہے، چنانچہ اگر وہ اپنے رب کی یاد کو اپنی تسلی اور خوشی کا ذریعہ بناتا ہے تو رب العالمین کا معاملہ اس کے ساتھ اسی قدر پیارا ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا'' اللہ رب العالمین کہتا ہے: کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں: سو اگر وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ چند افراد پر مشتمل کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اسکی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اگر وہ ایک بالشت مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اگر وہ ایک ہاتھ مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اس سے پورے پہونچے بھر (یعنی دو ہاتھ کے مساوی) قریب ہوتا ہوں، اور اگر وہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔'' **(البخاری:۷۴۰۵، مسلم:۲۶۷۵)**۔

عام دنوں میں اذکار پر اجر عظیم کی خوشخبری سے نوازا گیا ہے، اگر زمان ومکان کے تقدس کا حسین امتزاج بھی شامل حال ہو، اور ذی الحجہ کے ابتدائی مبارک دنوں کو ان اذکار سے معمور کیا جائے تو بات کچھ اور ہی ہوگی، اور رب کے فضل واحسان، اور اجر وثواب کی اور ہی شان ہوگی۔

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں جو اعمال مشروع ہیں ان میں ایک قربانی بھی ہے۔

قربانی کی اهمیت او رفضیلت:

قربانی درحقیقت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے جو انہوں نے رب کی اطاعت وفرمانبرداری کی اعلی مثال رقم کرتے ہوئے اپنے بعد آنے والوں کیلئے چھوڑا ہے، جس کا تذکرہ کرتے ہوئے رب العالمین نے ایک جگہ فرمایا:

(وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ) (الصافات:۹۹-۱۰۷)۔

''یعنی رب العالمین نے ابراہیم علیہ السلام کی دعاء پر بردبار بیٹا عطاء کیا، جب وہ چلنے پھرنے اور دوڑنے کے لائق ہوا تو خواب میں ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کررہا ہوں دوسری طرف بیٹا خواب کی تکمیل میں مکمل رضامند، چنانچہ باپ نے پیشانی کے بل پچھاڑا مگر رب العالمین پکار اٹھا کہ ابراہیم تم نے حکم کی مکمل تعمیل کی، اور خواب کو سچ کر دکھایا، اور اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک بھاری دنبہ ذبح کیا۔''

ابراہیم علیہ السلام کی بہت سی عظیم قربانیوں میں یہ قربانی منفرد حیثیت کی حامل تھی، اس لئے رب العالمین نے اس کو نہ صرف شرف قبولیت سے نوازا بلکہ قیامت تک کیلئے سنت قائمہ کے طور پر باقی رکھا، اور نبی کریم ﷺ نے زندگی بھر اس پر عمل کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''نبی ﷺ دو چتکبرے سینگ والے دنبہ کی قربانی کرتے، جانور کے گردن پر قدم رکھ کر ہاتھ سے ذبح فرماتے۔'' **صحیح بخاری (۵۵۶۴) و صحیح مسلم (۱۹۶۶)**۔

قربانی کاحکم: قربانی سنت مؤکدہ ہے، جس کا نہ صرف آپ نے بھرپور اہتمام کیا، بلکہ صحابہ کرام کو اسکی طرف توجہ دلاتے ہوئے خوب خوب تاکید بھی فرمائی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''آج کے دن ہم سب سے پہلے نماز ادا کریں گے، پھر واپس لوٹ کر قربانی کریں گے، جو ایسا کرے گا وہ ہماری سنت کو پالے گا، اور جو نماز عید سے پہلے ہی ذبح کرے گا وہ اپنے گھر والوں کیلئے گوشت کو پیش کرے گا، قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔'' **(صحیح بخاری:۵۵۴۵)**۔

اس حدیث سے قربانی کی سنیت معلوم ہوتی ہے، اور یہ کہ اسے عید کی نماز کے بعد کرنی چاہیئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا حدیث سے قربانی کی سنیت کا مسالہ مستنبط کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے: (باب سنة الاضحية) یعنی اس بیان میں کہ قربانی سنت ہے، نیز اسکے تحت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ذکر فرمایا، کہ وہ کہتے ہیں: ''قربانی سنت اور بھلائی کا کام ہے۔''

سنن کی کچھ روایات سے قربانی کے وجوب کا اشارہ ملتا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مخنف بن سلیم سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب ہم میدان عرفات میں تھے تو آپ نے فرمایا: (یا ایها الناس ان علی اهل کل بیت فی کل عام اضحية) **سنن ابی داود (۲۷۹۰)**: اے لوگو ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی ہے۔

یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں عامر ابو رملہ نامی ایک شخص ہے جو مجہول ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں کہتے ہیں: (لا یعرف) یعنی غیر معروف ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا: (من كان له سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا) ، جوشخص استطاعت کے باوجود بھی قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ دیکھئے: **سنن ابن ماجه (٣١٢٣)**۔

اس روایت کے موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہے، اکثر اہل علم نے موقوف کوراجح قراردیاہے، یعنی یہ کہ یہ حدیث نبی کریمﷺ سے ثابت نہیں، بلکہ یہ صحابی کا فرمان ہے، مگر موقوف بھی راجح ہونے کے باوجود صحیح نہیں کیونکہ اس کی تمام سندوں میں ایک راوی عبداللہ بن عیاش نامی ایک راوی ہے جوضعیف ہے، اس کی متابعت عبیداللہ بن ابی جعفر نے کی ہے مگر اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے، یعنی نا قابل اعتبار شخص، اس لئے یہ حدیث کسی بھی اعتبار سے لائق عمل نہیں، نہ مرفوعا نہ موقوفا۔

دیکھئے: **سنن الدارقطني (٤،٢٨٥)، علل الدارقطني (٢٠٢٣)، السنن الكبرى للبيهقي (٩،٢٦٠) و بلوغ المرام (١٣٤٨)**۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے قربانی کے وجوب کا اشارہ ملتا ہے مگر یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں، اس لئے اس کی سنیت کا حکم ہی راجح ہے، واللہ اعلم۔

قربانی کے مخاطب صرف مقیم؟ یا مقیم اور مسافر دونوں؟

مندرجہ ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار ہم نبیﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ عیدالاضحیٰ کا دن آ گیا، چنانچہ ہم لوگ گائے کی قربانی میں سات، اور اونٹ کی قربانی میں دس افراد شریک ہوئے۔ **(ترمذی:٩٠٥، نسائی:٤٣٩٢، ابن ماجه:٣١٣١)**، اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ قربانی صرف مقیم ہی کے لئے مسنون نہیں بلکہ مسافر کے لئے بھی ہے۔

حج کرنے والے شخص کی قربانی:

حج تمتع اور حج قران کرنے والا شخص واجبی طور پر، یا حج افراد، اور عمرہ ادا کرنے والا شخص استحبابی طور پر جو جانور منی یا مکہ میں ذبح کرے اسے ہدی کہا جاتا ہے، اسی طرح وہ تمام جانور جو مکہ مکرمہ میں ذبح کرنے کی غرض سے کوئی بھی شخص روانہ کرے جو حج یا عمرہ نہ کر رہا ہو اسے بھی ہدی کہا جاتا ہے۔ دیکھئے: **(المفردات في غريب القرآن ص،٥٤١)**، نیز دیگر کتب الشروح واللغات وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''نبی کریمﷺ مدینہ میں اقامت کے دوران اپنے ہدی کے جانور مکہ بھیج دیتے اور خود مدینہ میں اپنے اہل وعیال کے بیچ احرام کی پابندیوں سے آزاد رہتے ہوئے مقیم رہتے''۔ **(صحيح بخاری: ١٧٠٢، ١٧٠٣)**۔

اسی طرح جب'' آپﷺ بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ میں آپ کو روک دیا گیا تو آپ نے اپنے ہدی کے جانوروں کو وہیں ذبح کردیا''**(صحيح بخاری:١٨٠٧)**۔

حج قران کی غرض سے جب آپ اپنے ساتھ سواونٹ بطور ہدی لے کر مکہ مکرمہ پہونچے تو دس ذی الحجہ کو ٦٣، اونٹ بذات خود اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمائے۔ **(صحيح بخاری:١٧١٨، صحيح مسلم:١٢١٨)**۔

اس سے معلوم ہوا کہ حجاج کرام کو جو جانور مکہ میں ذبح کرنا ہے وہ ہدی کا جانور ہے نہ کہ قربانی، یہی ان کے لئے افضل بھی ہے اور مشروع بھی، اسی لئے پیارے نبیﷺ مدینہ میں دو دنبہ کی قربانی کا اہتمام فرماتے تھے جیسا کہ مذکور ہوا، مگر جب آپ مکہ میں حج کے لئے تشریف لائے تو آپ نے قربانی نہیں فرمائی، بلکہ سواونٹ جو ہدی کے لئے لائے تھے اسی پر اکتفا کیا، اگر آپ نے الگ سے قربانی کا اہتمام منی میں بھی کیا ہوتا تو جیسے ہدی کا ذکر کتب احادیث میں موجود ہے قربانی کا بھی ذکر آتا، مگر ایسا نہیں ہوا، سوائے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحيته، ثم قال: يا ثوبان اصلح لحم هذه، فلم ازل اطعمه منها حتى قدم المدينة)، **(صحيح مسلم:١٩٧٥)**۔ نبی کریمﷺ نے اپنی قربانی کے جانور کو ذبح فرمایا اور کہا اے ثوبان اسے ٹھیک ٹھاک رکھو، چنانچہ میں اس کا گوشت آپ کو بطور طعام پیش کرتا رہا یہاں تک کہ آپ مدینہ پہونچ گئے۔

اسی طرح ازواج مطہرات جنہوں نے حج تمتع یا قران کیا تھا ان کی طرف سے آپ نے ایک گائے بطور واجبی ہدی پیش فرمایا، مگر اس کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ ملتا ہے:

(ضحى رسول اللهﷺ عن ازواجه بالبقر)، **(صحيح بخاری:٥٥٤٨)**۔ یعنی رسول کریمﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے کی قربانی فرمائی۔

قابل ملاحظہ امر یہ ہے کہ اگر یہ قربانی تھی جو آپﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے پیش فرمائی جو کہ مسنون ہے تو وہ ہدی جو حج تمتع اور قران کرنے والوں پر واجب ہوجاتا ہے اس کے ذکر سے کتب احادیث خاموش کیوں ہیں؟

اسی طرح ایک اور امر قابل غور ہے کہ آپﷺ کا مدینہ میں معمول یہ رہتا تھا کہ ایک دنبہ اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتے تھے، مگر اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے الگ سے قربانی کا کوئی اہتمام نہیں فرماتے تھے، جبکہ مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا ماحصل یہ ہے کہ آپ نے اپنی قربانی کے علاوہ اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے کا اہتمام کیا۔

درحقیقت نبی کریمﷺ نے نہ تو اپنی طرف سے نہ ہی اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے سفر حج میں قربانی کا اہتمام کیا، بلکہ چاشت کے وقت میں ہدی کے جانوروں کو ذبح فرمایا، جسے راوی نے (ضحى) یا (ضحية) کے لفظ سے تعبیر فرمایا، کیوں کہ عربی میں (ضحى بالشاة) کا معنی ہی یہی ہوتا ہے کہ اسے ضحیٰ یعنی چاشت کے وقت میں ذبح کیا جائے، اور (ضحية) اس جانور کو کہتے ہیں جسے چاشت کے وقت میں ذبح کیا گیا ہو۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: **المحكم والمحيط الأعظم (٣،٤٧١) والمخصص (٤،٦٤) والمصباح المنير ص١٣٦، والمغرب في ترتيب المعرب (٢،٥) والقاموس المحيط (ص١٦٨٢)** وغیرہ، نیز دیکھئے: **فتاوی ابن عثيمين (٢٥،٢٠)**

، واضواء البیان (سورہ حج آیت ۲۷، ۲۸)۔
اس کی تائید روایت کے دیگر الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

(نحر رسول اللہ ﷺ عن ازواجہ) وفی لفظ: (ذبح النبی ﷺ عن ازواجہ)، (صحیح بخاری، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰) بلکہ **صحیح مسلم** (۱۲۱۱)، میں ہدی کے الفاظ کی تصریح بھی وارد ہے: (اھدی رسول اللہ ﷺ عن نسائہ بالبقر) یعنی نبی ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے بطور ہدی نحر یعنی ذبح کیا۔

اس تفصیل سے یہ امر واضح ہوگیا کہ حجاج بیت اللہ اپنی پہونچ کے مطابق ایک یا اس سے زائد ہدی پیش کریں گے، جب کہ ان کے علاوہ دنیا کے تمام مسلمان صرف ایک قربانی پیش کریں گے، جیسا کہ آگے اس مسألہ کی مزید وضاحت آرہی ہے۔

ہر اہلِ خانہ کی طرف سے صرف ایک قربانی:

ایک گھر میں ہر فرد اپنی مستقل قربانی کرے یا صرف ایک قربانی ہی سب کی طرف سے کافی ہے؟ یعنی ماں کی طرف سے الگ قربانی، والد کی طرف سے الگ، اولاد میں ہر ایک کی طرف سے الگ، متعدد قربانیاں ایک ہی گھر میں مسنون طریقہ ہے، یا صرف ایک قربانی ہر ایک کی طرف سے کافی ہوگی؟

اس کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل نصوص پیشِ خدمت ہیں:

ا۔ پہلی حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے سینگوں والے ایک دنبے کو لانے کا حکم دیا اور اسے ذبح کرنے کے لئے لٹایا اور یہ دعاء پڑھی: (بسم اللہ، اللہ اکبر۔ اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد ﷺ) یعنی اللہ کے نام سے میں ذبح کررہا ہوں جو سب سے برتر وبالا ہے، اے اللہ ہماری اس قربانی کو محمد، آل محمد، اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔ دیکھئے: (**صحیح مسلم**)، (۱۹۶۶، ۱۹۶۷)۔

قارئین کرام: نبی کریم ﷺ دو دنبہ کی قربانی فرماتے، جن میں ایک اپنے اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے، اور دوسرے دنبہ کو اپنے اور اپنی ان امتیوں کی طرف سے کرتے جنہوں نے قربانی نہیں کی۔ دیکھئے: **سنن ابی داود** (۲۸۱۲) **بسند صحیح، وارواء الغلیل** (۴:۳۴۹۔۳۵۱)۔

امام خطابی صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایک بکری ایک شخص اور اسکے اہلِ خانہ کی طرف سے کافی ہوگی، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو''۔ **معالم السنن** (۲۲۸،۳)۔ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر قائم تھے جو پیارے نبی ﷺ کا تھا، اسی لئے جب ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے امام عطاء نے عہد نبوی میں قربانی کا طریقہ پوچھا تو آپ نے فرمایا:

(کان الرجل یضحی بالشاۃ عنہ وعن اھل بیتہ فیأکلون ویطعمون، حتی تباھی الناس فصارت کما تری)، **سنن الترمذی** (۳۱۴۷) **بسند صحیح، انظر: ارواء الغلیل** (۴، ۳۵۵)۔

یعنی صحابہ میں سے ہر شخص ایک بکری اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے قربانی کرتے، خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے، یہاں تک کہ لوگ فخر ومباہات کرنے لگے، اور ہوتے ہوتے صورتِ حال وہ ہوچکی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صحابہ بھی پیارے نبی ﷺ کی طرح ایک جانور ایک گھر کیلئے بشمولیت تمام افراد کرتے رہے، اس لئے ہمیں بھی اسی طریقے پر چل کر ہر گھر میں صرف ایک جانور کی قربانی کو کافی سمجھنا اور سنت رسول اللہ ﷺ، اور سنتِ صحابہ سمجھ کر اس پر عمل کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے، اور ایک گھر میں متعدد قربانیوں کے طریقے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، کیونکہ سب سے پیارا طریقہ نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے، اللہ رب العالمین ہم سب کو اخلاص کی توفیق سے نوازے۔

نوٹ: اس مسألہ کی وضاحت سے متعلق دو اہم پہلو قابلِ توضیح ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔) نبی کریم ﷺ کا اپنی امت کی طرف سے ایک دنبہ کی قربانی کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (**فتح الباری**)، (۹، ۵۹۵ میں) اہلِ علم سے نقل فرمایا ہے، اس لئے آپ کے اس عمل سے استدلال کرتے ہوئے کسی بھی شخص کے لئے جائز نہیں کہ امتی کی طرف سے قربانی کرے۔ دیکھئے: **ارواء الغلیل** (۴، ۳۵۴)۔

۲۔) اگر کسی شخص کو اللہ رب العالمین نے مال وجائداد سے نوازا ہے اور اسے ایک قربانی پر تسلی نہیں ہورہی ہے تو اسے چاہئے کہ قربانی کے وہ پیسے جس سے وہ متعدد جانور خرید کر قربانی کرنا چاہتا ہے اس رقم کو فقراء ومساکین میں تقسیم کردے تاکہ وہ لوگ بھی اس خوشی میں شریک ہوسکیں، یا اسی طرح اتنی تعداد میں قربانی کے جانور خریدے جو اسکی رغبت وچاہت سے میل کھاسکے اور انہیں ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم کردے، جیسا کہ پیارے نبی ﷺ نے اپنایا تھا:

حضرتِ عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کے مابین قربانی کے جانور تقسیم فرمائے'' (**صحیح بخاری**)، (۵۵۴۷)۔ حالانکہ اگر آپ چاہتے تو جس طرح حج کے موقعہ پر سو اونٹ ذبح کئے تھے، اسی طرح مدینہ میں بھی متعدد قربانیاں اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے کرتے، یا کم از کم جس طرح ازواج مطہرات کی طرف سے اپنے سو اونٹ کے علاوہ الگ سے ایک گائے ذبح کرکے ان کا واجبی ہدی مکہ میں ادا کیا، مدینہ میں بھی بطور قربانی الگ سے ایک اونٹ یا گائے ان سب کی طرف سے قربان کردیتے، مگر ایسا نہ کرکے باقی جانوروں کو صحابہ کے مابین تقسیم کرکے آپ نے لوگوں کو نمونہ دیا کہ ایک گھر میں خواہ کتنے ہی افراد کیوں نہ ہوں ایک جانور کی قربانی ان سب کی طرف سے کافی ہوجاتی ہے، اور یہ کہ جن لوگوں کے پاس بھی ایک سے زیادہ جانور بطور قربانی ہوں انہیں چاہئے کہ اپنے ان بھائیوں کو دے کر جن کی پہونچ قربانی کرنے کی نہیں ہے نبوی طریقہ پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

قربانی کرنے والے ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ناخون بالوں اور چمڑوں کو نہ کاٹیں:

وہ شخص جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ اپنے ناخون بال اور

چمڑوں کو نہ کاٹے یہاں تک کہ قربانی سے فارغ ہو جائے، حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو، اور تمہارا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخون کو روک لو'' بعض روایات میں ہے: ''اپنے بال اور ناخون کو ہرگز ہرگز نہ کاٹو یہاں تک کہ قربانی سے فراغت حاصل ہو جائے'' بعض روایات میں بال اور ناخون کے علاوہ چمڑے کو کاٹنے کی بھی ممانعت وارد ہے۔

روایت کے مذکورہ بالا سبھی الفاظ کے لئے دیکھئے: (**صحیح مسلم:۱۹۷۷**)۔

معلوم ہوا کہ ہم میں سے جو شخص قربانی کا ارادہ کرے تو ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے قربانی کر لینے تک اپنے ناخون کو نہ کاٹے نہ ہی توڑے، جسم کے تمام جگہوں کے بالوں کو بھی نہ کاٹے نہ ہی مونڈے، وہ چاہے سر کے بال ہوں، یا مونچھ کے، یا بغل اور زیر ناف کے، ہاں اگر دوران غسل یا وضو از خود ٹوٹ کر گر جائیں جس میں ہمارا کوئی قصد و ارادہ نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح جسم میں موجود چمڑوں کو بھی نہ چھیڑے۔

مذکورہ حکم گھر کے صرف اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو اس گھر کا ذمہ دار ہے یعنی وہ قربانی اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کی طرف سے سنتِ نبوی کے مطابق کرے گا، البتہ گھر کے باقی افراد سو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں، حدیث کے الفاظ (وأراد احدکم ان یضحی) جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھے، ان الفاظ کا تقاضا یہی ہے۔

اسی طرح مذکورہ حکم کے دائرہ میں وہ لوگ بھی داخل نہیں جو قربانی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، رہی یہ بات کہ اگر ایسا شخص جس کو قربانی کرنے کی طاقت نہیں اگر اپنے ناخون بال وغیرہ کی حفاظت کرے اور قربانی کے دن کاٹے تو مکمل قربانی کا اجر و ثواب پائے گا، تو یہ روایت **سنن ابی داود (۲۷۹۱) و سنن نسائی (۴۳٦۵)**، وغیرہ کی ہے، جو ضعیف ہے، (دیکھئے: **ضعیف سنن ابی داود ۔ الأم، ۴۸۲**) اس حدیث کی سند میں: عیسی بن ہلال صدفی نامی شخص ہے جسے ابن حبان نے اپنی کتاب **الثقات (۵، ۲۱۳)** میں ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ کسی محدث نے ان کی توثیق نہیں کی ہے، اس طور پر یہ راوی مجہول الحال کے درجہ میں ہے، کیونکہ ابن حبان کی توثیق کا اعتبار صرف کتاب الثقات میں ذکر کر دینے پر نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں، اس لئے اس چوک کا بھی قطعی اعتبار نہیں کیا جائے گا جو حافظ ابن حجر سے ان کی مشہور کتاب تقریب التہذیب میں مذکورہ راوی پر (**صدوق**) کا حکم لگا کر ہوا ہے۔

حدیثِ مذکور کی ضعف کی وجہ سے اس پر عمل، اور مذکورہ ثواب کا اعتقاد رکھنا درست نہیں۔

جنس قربانی کی تعیین: وہ کون کون سے جانور ہیں جن کی قربانی مشروع ہے؟ اس کا جواب جاننے کے لئے سورہ حج آیت نمبر ۲۸، پر غور کریں جو مندرجہ ذیل ہے:

(لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ) یعنی: تاکہ وہ اپنے لئے دینی دنیوی نفع حاصل کریں، اور چند متعین دنوں میں ان چوپایوں کو اللہ کے نام سے ذبح کریں، جو اللہ تعالی ہی نے انہیں بطور رزق عطاء فرمایا ہے۔

رب العالمین کا فرمان: (بهيمة الانعام) چوپائے سے مراد: اونٹ، گائے، دنبہ، بھیڑ، بکری ہے، جیسا کہ حضرتِ عبداللہ بن عباس، اور علی بن ابی طالب نے اس کی تفسیر میں ذکر کئے ہیں۔ دیکھئے: **تفسير ابن كثير (۱:۵۳۴) سورہ بقرۃ، آیت: ۱۹٦**۔ نیز عام کتب تفاسیر۔

بہیمۃ الانعام کی لغوی تشریح: البهيمة: ہر اس چوپائے کو کہتے ہیں جو خشکی یا تری میں چار پیر والا ہو، انہیں بہیمۃ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ قوت گویائی اور تمیز کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔

الانعام: ہر اس جانور کو کہتے ہیں جن میں چلنے کے لئے ٹاپ ''اونٹ اور شتر مرغ کے قدم کے لئے استعمال ہوتا ہے'' اور کھر پایا جائے، جسے عربی میں (الخف والظلف) کہا جاتا ہے، جس سے مراد: اونٹ، گائے، اور غنم یعنی بھیڑ دنبہ اور بکری بکرا ہے۔ دیکھئے: **تهذيب اللغة للازهری (۲: ۳۴۴)، لسان العرب (۱۲:۵٦)، المصباح المنير ص ۲۳۴، التعاريف للمناوی ص۱۴۷**)۔

مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو بہیمۃ الانعام میں اور بھی بہت سے چوپائے شامل ہوں گے، مگر یہاں مقصود صرف وہ چوپائے ہیں جو شریعت میں معروف ہیں جن کی وضاحت صحابہ نے فرمائی جیسا کہ مذکور ہوا۔

اس لئے اس اصطلاح میں صرف وہی جانور مراد ہوں گے جو صحابہ کی تفسیر میں مذکور ہیں، اس لئے جو چوپائے ان کے علاوہ ہیں ان کی قربانی جائز اور درست نہ ہوگی۔

بھینس کی قربانی: بھینس کی قربانی کے تعلق سے اختلاف ہے، صحابہء کرام نے بہیمۃ الانعام کی تفسیر میں جن چوپایوں کی تصریح کی ان میں بھینس نہیں، اس لئے اس کی قربانی درست نہیں، البتہ بعض اہل لغت کے حوالے سے یہ کہنا کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے اس لئے اس کی قربانی درست ہے، صحیح نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ بھینس گائے کے مانند ہے نہ کہ اس کی ایک قسم، مزید اس کی حقیقت جاننے اور پرکھنے کے لئے مندرجہ ذیل آثار غور طلب ہیں:

۱)۔ **مصنف ابن ابی شيبة (۱۰۸۴۸)** میں صحیح سند سے حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ''بھینس گائے کے درجے اور مرتبے میں ہے''۔

۲)۔ **كتاب الاموال لابن زنجويه (۱۱۷۳۔۱۱۷۵)**، میں متعدد آثار: عمر بن عبدالعزیز، عطاء الخراسانی، امام مالک، سے متعدد اسانید سے نقل کئے گئے ہیں جن میں بھینس کی زکاۃ کے حوالہ سے اسے گائے کے مانند ماننے کی بات کہی گئی ہے۔

ان آثار سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے بھینس کو گائے کے مانند مانا ہے نہ کہ گائے کی قسم، اور دونوں کی حیثیات میں بے حد فرق ہے، نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر زکاۃ کے مسألہ میں بھینس مانند گائے کے ہے تو قربانی میں بھی ہو۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: **مرعاة المفاتیح (۵:۸۱)**۔

قربانی کے جانور کا دانتا ہونا ضروری ہے:

جنس قربانی کی تعیین کے بعد یہ پرکھنا ضروری ہے کہ وہ جانور دانتا ہو، **صحیح مسلم (۱۹۶۳)**، میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (**لا تذبحوا الا مسنة، الاان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان**) یعنی صرف دانتا جانور ہی ذبح کرو، ہاں اگر دشواری ہو تو دنبہ کا جذعہ کو ذبح کرلو۔

(**جذعة**) اس دنبہ کو کہیں گے جو ایک سال کا ہو، بعض اہل لغت نے چھ ماہ کے دنبہ کو بھی جذعہ کہا ہے، دونوں اقوال کے درمیان کی عمر پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے، درحقیقت دنبے مختلف اقسام کے ہوتے ہیں جن میں بعض چھ ماہ میں، اور بعض سات، بعض آٹھ یا نو ماہ میں نوجوانی کی اس عمر کو پہونچتے ہیں، جن پر جذعہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس لئے جمہور کی رائے میں احتیاط ہے یعنی وہ دنبہ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو گیا ہو وہ جذعہ کہلائے گا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: **الزاهر فی غریب الفاظ الشافعی ص۱۴۲، والمخصص لابن سیده (۲:۲۳۵)**۔

(**مسنة**) یعنی دانتا جانور۔

یہ اسم فاعل ہے (**اسن**) سے، جس کا معنی ہے: دانت کا نکلنا، یہ معنی چوپائے کی طرف اس فعل کی نسبت کے ساتھ خاص ہے، لیکن اگر یہی فعل آدمی کی طرف منسوب ہو، جیسے کہ کہا جائے: (**اسن الرجل**)، اس وقت معنی بدل جائیگا، چنانچہ اس کا مطلب ہوگا: بڑی عمر کا ہونا۔

دیکھئے: **الزاهر فی غریب الفاظ الشافعی ص۲۹۲، والمصباح المنیر ص۱۱۱، ولسان العرب (۱۳:۲۲۰)**۔

حاصل کلام یہ کہ قربانی کے مشروع جانور کے دودھ والے نیچے کے دونوں دانت گر کر اس کی جگہ دو دوسرے دانت نکل آئیں تو اسکی قربانی درست ہوگی ورنہ نہیں، سوائے دنبہ کے، اسکی قربانی دانت نکلے بغیر جب کہ وہ ایک سال کا ہو گیا ہو جائز اور درست ہے۔ دیکھئے: **مرعاة المفاتیح (۵،۱۶۰)**۔

مذکورہ بالا حدیث میں مشکل حالات میں ایک سال کے دنبہ کی قربانی جائز بتائی گئی ہے، مگر (مشکل حالات) کی یہ قید استحبابی ہے، نہ کہ قید شرط، یعنی کہ پہلی شکل میں (مشکل حالات) کا اعتبار کرنا بہتر ہے، لیکن اگر اس کی رعایت نہ بھی کی گئی، اور عام حالات میں ایک سال کے دنبہ کی قربانی کر دی گئی تو کوئی حرج نہیں، جبکہ قیدِ شرط ماننے کی شکل میں مفہوم یہ ہوگا کہ اگر مشکل حالات نہ پیش آئیں تو ایک سال دنبہ کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

دیکھئے: **فتح الباری (۱۰:۱۵، کتاب المجموع للنووی ۸:۲۹۴) وغیره**۔

قیدِ استحبابی ماننے کی وجہ مندرجہ ذیل حدیث ہے جسے امام ابوداود نے **سنن ابوداؤد (۲۸۰۱)**، میں بعض صحابہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک منادی کو اعلان کرنے کا حکم دیا: (**ان الجذع یوفی مما یوفی منه الثنی**) یعنی رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "جہاں دو دانت کا جانور کافی ہے وہیں دو دانت سے کم سال بھر کا دنبہ کافی ہے" اس حدیث کو علامہ البانی نے **صحیح سنن ابی داود (۲۷۹۹)**، میں صحیح قرار دیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی نچوڑ یہ ہے کہ دو دانتا جانور ہی کی قربانی ضروری ہے، البتہ اگر قربانی کا جانور دنبہ ہو تو ایک سال کی عمر کا جائز اور درست ہے چاہے وہ دانتا ہو یا نہ ہو۔

قربانی کا وقت:

قربانی کرنے کا اول وقت نماز عید سے فراغت حاصل ہو جانے کے بعد شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں حضرتِ جندب بن سفیانؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قربانی کا جانور نمازِ عید سے پہلے ذبح کردے تو وہ نماز کے بعد دوسرا جانور ذبح کرے، اور جو ذبح نہیں کیا تھا وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے"۔ (**صحیح بخاری:۹۸۵، مسلم:۱۹۶۰**)۔

مذکورہ بالا روایت سے قربانی کے اولِ وقت کی بات معلوم ہوتی ہے، یعنی قربانی شروع کرنے کی اجازت ذی الحجہ کی دس تاریخ کو نمازِ عید سے فراغت کے بعد ملتی ہے، مگر یہ اجازت کب تک کے لئے ہے، یعنی اس کا آخری وقت کیا ہے، اس بات کی وضاحت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

۱)۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس منی کے ایام میں آئے، جبکہ حضرتِ عائشہ کے پاس دو چھوٹی بچیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں، اور نبی کریم ﷺ چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوتے یہ منظر جو دیکھا ان دونوں بچیوں کو جھڑکا، نبی کریم ﷺ نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ابوبکر انہیں ان کے حال پر رہنے دو، یہ عید کے ایام ہیں، حضرتِ عائشہ فرماتی ہیں: وہ منی کے ایام تھے۔ (**صحیح بخاری:۹۸۷، صحیح مسلم:۸۹۲**)۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: (نبی کریم ﷺ کا فرمان: (ایام منی) یعنی منی کے دن سے مراد یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کے بعد تین دن ہیں جنہیں ایامِ تشریق کہا جاتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں دن بھی منجملہ ایامِ عید میں سے ہیں، جن میں عید کے بیشتر احکامات جاری ہوں گے، جیسے: قربانی کرنے کا جواز، روزہ رکھنے کی ممانعت، تکبیر کا استحباب وغیرہ)۔ دیکھئے: **شرح مسلم للنووی (۶،۱۸۴)**۔

۲)۔ نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (**ایام التشریق ایام اکل وشرب، وفی روایة: وذکر لله**)، (**صحیح مسلم: ۱۱۴۱**)۔ یعنی ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔

یعنی ان میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے کیونکہ وہ ایامِ عید ہیں جن میں عید کا حکم

نافذ العمل ہوگا جیسے قربانی وغیرہ۔

۳)۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (وکل ایام التشریق ذبح) ، (**مسند احمد: ١٦٧٥١، وصحیح ابن حبان: (٣٨٥٤) وغیرہ**،یعنی تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔

اس روایت میں کچھ کلام ہے مگر متعدد سندوں اور شواہد کی بناء پر حسن درجہ کی قابل عمل حدیث ہے، علامہ البانی نے اس پر حسن کا حکم لگایا ہے دیکھئے: **(الصحیحة:٢٤٧٦)**۔

ان تمام روایات کا ماحصل یہ ہے کہ قربانی کا آخری وقت تیرہ ذی الحجہ کا غروب شمس ہے، اس سے پہلے کے تمام اوقات میں قربانی کرنے کی اجازت ہے۔

جن عیوب کے ساتھ قربانی درست نہیں:

ہر شخص کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جس جانور کی قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ عمدہ ترین صفات کا حامل ہو، یعنی خوبصورت، سینگ والا، ہر طرح کے عیوب ونقائص سے خالی، پیارے نبی ﷺ اس کا خاص اہتمام فرماتے تھے، ساتھ ہی آپ نے کچھ ایسی صفات اور عیوب کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جن کی موجودگی میں قربانی جائز اور درست نہیں ہوگی، اس کی وضاحت مندرجہ ذیل حدیث سے بخوبی ہوتی ہے:

عبید بن فیروز فرماتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے قربانی کے ان جانوروں کے بارے میں پوچھا جن کی قربانی درست نہیں، اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

(اربع لا تجوز فی الاضاحی: العوراء بین عورها، والمریضة بین مرضها، والعرجاء بین ظلعها، والکسیرة التی لا تنقی)، **(سنن ابی داود:٢٨٠٤، سنن الترمذی:١٤٩٧) بسند صحیح، انظر: ارواء الغلیل (١١٤٨)**۔

چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں: ''کانا جس کا کانا پن بالکل واضح ہو، بیمار جس کی بیماری بالکل عیاں ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن بالکل نمایاں ہو، بوڑھا یا کمزوری سے ٹوٹا ہوا جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو''۔

امام نووی فرماتے ہیں: ''اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت براء کی حدیث میں مذکورہ چار عیوب والے جانوروں کی قربانی جائز نہیں، اسی طرح ان عیوب کے مشابہ، یا ان سے بدتر عیب جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہوگی جیسے: جانور کا مکمل اندھا ہونا، اس کی ٹانگ کا کٹا ہونا وغیرہ'' دیکھئے: **شرح مسلم للنووی (٦:٤٥٩)**۔

مذکورہ بالا حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ اگر جانور میں عیوب مذکورہ عیوب سے کم تر درجے کے ہوں تو ان کی قربانی جائز اور درست ہوگی۔

امام خطابی رحمہ اللہ **معالم السنن (٢:٢٣٠)**، میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی کے جانوروں میں معمولی عیب کی معافی ہے'' کیا آپ نے پیارے نبی ﷺ کے فرمان پر غور نہیں فرمایا: ''اس کا کانا ہونا بالکل واضح ہو، اس کی بیماری بالکل عیاں ہو، اس کا لنگڑا پن نمایاں ہو، اور جو معمولی عیب ہوگا وہ واضح اور نمایاں نہیں ہوگا، اس لئے اس سے درگزر کر لیا گیا ہے''۔

نوٹ: کچھ اہم عیوب پر مشتمل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جو **سنن ابی داود (٢٨٠٦)**، میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(امرنا رسول الله ﷺ ان نستشرف العین والاذن، وان لا نضحی بعوراء، ولا مقابلة، ولا مدابرة، ولا خرقاء، ولا شرقاء،) ''یعنی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی والے جانور کی آنکھوں اور کانوں کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں، اور وہ جانور نہ ذبح کریں جو کانا ہو، یا جس کے کان آگے سے، یا پیچھے سے کٹ گئے ہوں، یا جس کے کان لمبائی میں یا چوڑائی میں کٹے ہوں، یا جس کے کان میں سوراخ ہو''۔

مگر اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مرفوعا ثابت نہیں، امام دارقطنی فرماتے ہیں: کہ اس کا موقوف ہونا ہی درست ہے، اس لئے یہ حدیث ضعیف نا قابل عمل ہے، دیکھئے: **علل الدارقطنی (٣٨٠) و ضعیف سنن ابی داود ۔الأم: (٢،٣٧٧)**۔

الحاصل مذکورہ چار اہم عیوب جو حضرت براء کی حدیث میں مذکور ہے اسی طرح ان سے سنگین اور بڑے عیوب کے ساتھ قربانی درست نہیں ہوگی۔

قارئین کرام: اس عظیم سنت کے ساتھ اہتمام کی اہم شکلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم اپنے جانوروں کو موٹا اور فربہ کرنے کی کوشش کریں، جیسا کہ صحابہء کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا، امام بخاری رحمہ اللہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے تعلیقا ذکر فرماتے ہیں: (کنا نسمن الاضحیة بالمدینة، وکان المسلمون یسمنون) ''یعنی ہم مدینہ میں قربانی کے جانور موٹا کرتے، اور تمام مسلمان بھی اپنے اپنے قربانی کے جانوروں کو موٹا کرتے تھے''۔

محترم قارئین: قربانی کے جانور کو ہر طرح کے ظاہری اور واضح عیوب سے پاک رکھنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے، اسی طرح ان دروس واسباق کیطرف مکمل توجہ صرف کرنی چاہئے جو ہمیں اس عظیم عبادت کی ادائیگی سے ملتے ہیں، اور رب کی رضا وخوشنودی کی حصول کیلئے جان ومال، دھن دولت، نیز مملکت حیات کو بے دریغ قربان کردینے کا جذبہ بیدار رکھنا چاہئے، جانور کی قربانی درحقیقت ہمیں اپنے پیچھے باعزت زندگی گزارنے کا گر سکھاتی ہے، ایثار وقناعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے، حرص وطمع جیسی مذموم خصلت کو کچل دینے، للچائی ہوئی نگاہ کو توکل اور بھروسے میں بدل دینے کا عظیم سبق دیتی ہے۔

قارئین کرام! یہ ہیں ذی الحجہ کے مبارک دس ایام، اور ان میں کئے جانے کے کام، اللہ رب العالمین سے دعاء ہے کہ ہمیں اس طرح کے مبارک لمحات وایام بار بار نصیب کرے، اور اس میں زیادہ سے زیادہ عمل صالح کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

ابراہیم علیہ السلام کی زندگی مثالی کیوں؟

عبدالمجید بن عبدالوہاب مدنی
سعودی عرب

اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کی ہدایت ورہبری کے لئے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا، ان برگزیدہ ہستیوں میں سے پانچ اولو العزم رسول قرار پائے جن کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بطور خاص کیا ہے نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور ہادی برحق محبوب دوعالم ختم الرسل، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ۔

یوں تو اللہ کے بھیجے ہوئے ان پانچوں اولوالعزم رسولوں اور پیغمبروں کی زندگی کم وبیش اپنے اپنے زمانے میں ان کے ماننے والوں کے لئے مشعل راہ تھی اور بعض بزرگوں کی زندگیاں قیامت تک کے انسانوں کے لئے عملی اسوۂ نمونہ اور مثالی ہیں مگر ان برگزیدہ ہستیوں میں ایک ایسی درخشندہ زندگی اور عظیم خصوصیات کی حامل شخصیت تاریخ اور انسائیکلوپیڈیا میں ہم کو نظر آتی ہے جو اس باب میں نمایاں ممتاز اور منفرد دکھائی دیتی ہے یہ عظیم شخصیت اور مثالی زندگی دین حنیفی کے سب سے بڑے علمبردار، قبیل حق وصداقت، بابل کے مبلغ اعظم سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی زندگی ہے۔ آپ کی زندگی کے شاندار واقعات اور عزم ویقین کے محیرالعقول کارنامے تاریخ کے لئے باعث عزت بھی ہیں اور قابل فخر بھی، آپ کی خلوص وللٰہیت ایثار وفدویت اور راہ حق میں عظیم ترین قربانی کی زندگی پر ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ آمنہ کے لعل اور عبداللہ کے دریتیم خود افضل الرسل اور رحمۃ للعالمین ہیں مگر اللہ اکبر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی زندگی اس قدر تابناک 'درخشندہ' روشن' اور لائق اتباع ہے کہ آپ کی پیروی کا حکم خود اس انسان کامل کو ہوا جس کی زندگی اعلیٰ ترین مثالی زندگی تھی اور جس کے لئے قرآن خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ الأحزاب ۲۱

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے۔

اس نبی کو قرآن میں مختلف اسلوب اور پیرائے میں اللہ رب العالمین بار بار یہ تلقین فرمارہا ہے (فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا) ﴿اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ آپ اپنے لئے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو نمونہ بنائیں' ابراہیم کی طرز زندگی کی پیروی کریں جو ہر طرف سے کٹ کر اللہ کے ہو چکے تھے۔

اور کہیں یہ فرماتا ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ (الممتحنۃ ۴) تمہارے لئے حضرت ابراہیم میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔

اور کہیں یہ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (البقرۃ ۱۳۰)

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کریگا جو محض بے وقوف ہو ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں ہے۔

اسی آیت کریمہ میں آگے چل کر اس مثالی زندگی کا ہلکا سا ملکوتی نقشہ کچھ یوں کھینچا گیا ہے: ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (البقرۃ ۱۳۱)

جب کبھی بھی انہیں ان کے رب نے کہا، فرمانبردار ہو جا، انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی فرمانبرداری کی۔

ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہر شخص کے لئے اسوہ اور نمونہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے توحید الٰہی کی ازلی اور ابدی صداقتوں پر سب سے پہلے لبیک کہا اور ہر طرف سے کٹ کر اور سارے جہان سے بیزار ہو کر قول وعمل اور نظر وفکر کی پوری حاضری کے ساتھ کلیۃ آپ کی ساری زندگی رب العالمین کے لئے ہوگئی۔

محترم قارئین: قرآن حکیم کی روشنی میں اگر ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا صرف سرسری مطالعہ کیا جائے تو اس سے دو بات ابھر کر سامنے آتی ہے۔

۱۔ ہر حال میں حق بات کہنے کی جرات وجسارت اور انتہائی حکیمانہ اور مؤثر انداز میں اس کی طرف دعوت۔

۲۔ حق کی طرف دعوت کی راہ میں آنے والی کٹھنائیوں اور پریشانیوں کو پیشانی پر بل لائے بغیر صبر کے ساتھ برداشت کر لینا اور یہی ایک مؤمن کی زندگی کا مطلوب اور مقصود بھی ہے جسے ابراہیم علیہ السلام نے بلاخوف وخطر پوری زندگی برتا اور جاری رکھا، دنیا میں جس چیز سے بھی انسان محبت کرتا ہے کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو انہوں نے اللہ کی راہ میں قربان نہ کیا ہو، جن خطرات کو انسان محسوس کرنا بھی گوارا نہیں کرتا اسے انہوں نے ہردم جھیلا اور مسکرا کر پار کیا اور پیشانی پر بل نہیں آنے دیا۔ غرضیکہ آپ کی پوری زندگی ابتلاء اور آزمائش سے عبارت ہے۔

قرآن مجید کا انداز بیان ملاحظہ ہو: ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ البقرۃ ۱۲۴

جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے آزمایا اور انہوں

نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنادوں گا۔

آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کلمات سے مقصود حکم الٰہی کی تعمیل میں قوم سے ان کی جدائی، نمرود سے ان کا مباحثہ، آتش نمرود میں پھینکے جانے پر ان کا صبر، وطن سے ہجرت، لخت جگر کی قربانی وغیرہ یہ تمام آزمائشیں شامل ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام گزارے گئے۔(فتح القدیر ۱/۱۱۵)

محترم قارئین: قرآن مجید کا جب آپ مطالعہ کریں گے تو یہ بات واضح ہونے میں دیر نہیں لگے گی کہ ان تمام ہی آزمائشوں کا تذکرہ انفرادی طور پر بھی قرآن میں موجود ہے۔

آیئے ہم قدرے تفصیل سے ان امتحانات اور آزمائشوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ یہ بھی واضح ہو سکے کہ ان ابتلاءات سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا پہلا امتحان: ان کی فکر ونظر اور عقل وشعور، فطری سوجھ بوجھ، فہم وفراست، سنجیدگی اور سلیقہ مندی کا امتحان تھا اور اس امتحان میں انہوں نے کامیابی کیسے حاصل کی، قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۵۱)

یقیناً ہم نے ابراہیم کو سوجھ بوجھ اس سے پہلے بخشی تھی اور ہم جانتے تھے کہ وہ اس رشد کا اہل ہے۔

فطری سوجھ بوجھ، سنجیدگی اور سلیقہ مندی کی دولت ایک بڑی دولت ہے جسے ابراہیم کے رب نے بچپن ہی سے انہیں نواز رکھا تھا، حق اور باطل کے درمیان فرق اور تمیز کی صلاحیت دے رکھی تھی اسی معرفت کے بدولت وہ بچپن ہی سے ہر قسم کے شرک سے بیزار تھے اور یہ فطرت سلیم انہیں کیوں نہ عطا کی جاتی جب کہ انہیں دنیا کا امام اور پیشوائے موحدین بنانا تھا، یوں بھی یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ وہ جن حضرات کو نبوت عطا کرتا ہے ان کی یوم پیدائش سے لیکر یوم وفات تک نگرانی وحفاظت کرتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا بچپن: سیدنا ابراہیم علیہ السلام بابل کی سرزمین میں ایک بہت بڑے بت پرست کے گھر میں پیدا ہوئے تھے آپ کے والد بزرگوار کا نام آزر تھا ابراہیم خلیل اللہ نے آنکھ کھولتے ہی چاروں طرف ارباب من دون اللہ کی فرمانروائی کا نظارہ فرمایا جس گھر میں انہوں نے جنم لیا اس کی رگ رگ میں شرک رچا، بسا تھا، باپ آزر نہ صرف یہ کی بتوں کو بناتا اور فروخت کرتا تھا بلکہ وہ بتوں کو پوجتا تھا اور بتوں کی منڈی کا مہنتھ اور پردھان بھی تھا ایسے ماحول میں ابراہیم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں لیکن فطری سوجھ بوجھ اور حق اور باطل کے درمیان فرق اور امتیاز کی فطری صلاحیت نے انہیں شرک کی غلاظت وگندگی سے دور رکھا۔

جب بچپن کی بہاریں ختم کر چکے اور جوانی کا زمانہ آیا تو باپ نے اپنے آبائی دین کی ترغیب دی لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (الأنعام ۷۴)

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستارہ پرست تھی، ان کے خاندان اور قوم کے لوگ اس کو پوجتے تھے لیکن اللہ نے آپ کے دل کو نور ایمانی سے منور کرنا چاہا اس لئے معرفت حق کی انہیں پہچان دی، قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (الأنعام ۷۵)

اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں اور تا کہ کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں۔

ایک رات جب کہ آسمان پر ستارے پھیلے ہوئے تھے اور آپ کی قوم جمع تھی اور ایک ستارہ کو آسمان پر آب وتاب سے چمکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ میرا رب ہے قرآن کا انداز بیان سنئے ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ (الأنعام ۷۶)

پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں جب چمکتا چاند نمودار ہوا اور ستارے کی روشنی پھیکی پڑنے لگی تو بیساختہ پکار اٹھے لا أحب الآفلين) جو ڈوب جائے وہ رب کیسے۔

﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ﴾ (الأنعام ۷۷)

پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرے رب نے ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا۔

﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ﴾ (الأنعام ۷۸)

پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا۔ تو آخر میں آپ نے قوم سے خطاب کر کے فرمایا: ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ (الأنعام ۷۸) قوم کے لوگو! بے شک میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے بیزار ہوں۔

شرک کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں فطری سوجھ بوجھ اور حق اور باطل کے درمیان فرق اور امتیاز کی خداداد صلاحیت کی رہنمائی میں دنیاوی نظام اور کائناتی دستور

کو دیکھتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام اس نتیجہ کو پہونچے کہ ان کے دل کی گہرائیوں سے یہ نعرہ بلند ہوا ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ (الأنعام ۷۹)

میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یکسو ہوکر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

یہ ابراہیم علیہ السلام کی سوجھ بوجھ، عقل سلیم، سمجھداری اور دوراندیشی کی مثالیں تھیں جو شرک کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی اور ہدایت بنی اور اس امتحان میں انہوں نے شاندار کامیابی حاصل کی۔

آج مزاروں اور درگاہوں پر آستھا اور امید کے نام پر بیٹھے ہوئے لوگ کاش کی توحید کی اس حقیقت کو سمجھ پاتے اور اپنی پیشانیوں کو شرک کی غلاظت وگندگی میں ڈوبنے سے بچا پاتے۔

ابراهیم علیه السلام کی عملی دعوت کا امتحان:

اب دوسرا امتحان عمل کا شروع ہوا، قوت ارادی کی آزمائش کی ابتداء ہوئی، سیرت وعمل کی پختگی کا امتحان شروع ہوا، ابراہیم علیہ السلام اپنی دعوت کا آغاز کرتے ہیں لیکن کہاں سے؟ اپنے گھر سے، قرآن پڑھئے، اسی بات کا حکم پیغمبر اعظم کو ہوا تھا کہ آپ سب سے پہلے اپنے اقرباء کو اللہ کا خوف دلائیں۔ ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء ۲۱۳) ابراہیم علیہ السلام نے بھی دعوت کی شروعات اپنے باپ سے کی، سب سے پہلے کشمکش اپنے والد آزر سے ہوئی بڑی ہی لجاجت، خوش اخلاقی اور نرم انداز میں اپنی دعوت پیش کی۔ قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا﴾ (مریم ۴۲-۴۳)

جبکہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں۔

ظاہر ہے جو بت عام باتوں کو نہیں سن سکتے وہ تمہاری التجا اور فریاد کو کیونکر سن پائیں گے جو اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتے۔ آستھا اور امید کے نام پر آپ کی مدد ہرگز نہ کر پائیں گے۔ ﴿یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا﴾ (مریم ۴۳)

میرے مہربان باپ! آپ دیکھئے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں تو آپ میری ہی مانیں میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا۔

ایسی راہ جو رحمن کی راہ ہوگی نہ کہ شیطان کی۔

﴿یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا﴾ (مریم ۴۴) میرے ابا جان آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم والے اللہ تعالی کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ اس کے بہکاوے میں پڑ کر آپ ابدی سعادت نجات اخروی سے محروم ہو جائیں گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے ادب واحترام کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا لیکن ان تمام لجاجتوں کے نتیجے میں مخالفت اور طعنہ زنی کے علاوہ کچھ نہ پایا اور مشرک باپ نے نہایت سخت الفاظ میں پتھر برسانے اور گھر سے نکالنے کی دھمکی دی۔ قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا﴾ (مریم ۴۶)

اے ابراہیم کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا جا ایک مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ۔

اس بداخلاقی اور سخت کلامی کے باوجود ابراہیم علیہ السلام سپوت بیٹے کا فرض ادا کرتے ہوئے انتہائی نرمی اور تڑپ کا لحظہ اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا﴾ (مریم ۴۶)

میں اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا تھا جب ان کو مشرک کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کا علم نہیں تھا۔

غور کرنے کا مقام ہے ابراہیم علیہ السلام کو سنگسار کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہاں ,,سلام علیک،، کہہ کر ابراہیم علیہ السلام کردار کی بلندی اور اعلیٰ سیرت کی اس آزمائش میں کس طرح کامیابی حاصل کرتے ہیں اور ایک باکردار بیٹے کا فرض کس طرح نبھاتے ہوئے اس میں پورے اترتے ہیں۔

جب باپ سے مایوسی ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہوئے اور انہیں بھی شیریں اور نرم لہجے میں توحید کا وعظ سنایا، مختلف اسلوب اور پیرائے میں بتوں اور مجسموں کی بے ثباتی کو بیان کیا اور دوٹوک لفظوں میں قوم کی سفاہت اور ان کی گمراہی کو ان پر اس طور پر واضح کیا کہ تم جن چیزوں کے سامنے آستھا اور امید کے نام پر ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے ہو اپنی پیشانیاں ٹیک دیتے ہو وہ بے حس وحرکت ہیں اور تمہارے لئے کسی بھی طرح سے نفع ونقصان کی مالک نہیں قرآن کا انداز بیان دیکھئے۔ ﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ﴾ (الأنبیاء ۵۲) یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟

قوم کے لوگ جواب دیتے ہیں ﴿قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ﴾ (الأنبیاء ۵۳) ہم اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔

بعینہ یہی حال آج کے دور میں درگاہوں اور مزاروں سے وابستہ، بدعات وخرافات میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں کا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو اسلوب بدل کر مزید سمجھاتے ہیں ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ الصافات ۹۶

تم انہیں پوجتے ہو جنہیں تم تراشتے ہو حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں

کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔

اور آخری چوٹ لگاتے ہوئے پوچھتے ہیں (اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَالَا يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمۡ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ) الأنبیاء ٦٧ کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان، تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟

ابراهيم عليه السلام كى عملى دعوت اور بت شكنى :

یہاں پر امتحان شروع ہوتا ہے آپ کی جرات و جوانمردی کا، فطری سوجھ بوجھ کا استقلال اور پائداری کا۔قوم کے لئے تیوہار کا دن آتا ہے توحید کا یہ متوالہ میلے میں شریک ہونے کے بجائے باطل کے بت خانہ میں گھس جاتا ہے اور جب وہاں پر ان کے سامنے طرح طرح کے پکوان دیکھتا ہے جو تبرک اور چڑھاوے کے طور پر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا تو یہ سوال کرتا ہے ﴿اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ مَا لَكُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ ﴾ (سورہ صافات) کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو۔

ظاہر سی بات ہے بت اور مورتیاں جواب دینے پر قادر کہاں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک قدم آگے بڑھے اور بتوں کو چکنا چور کر دیا۔قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿ فَرَاغَ عَلَيۡهِمۡ ضَرۡبًا ۢ بِالۡيَمِيۡنِ ﴾ صافات:٩١

اور پھر پوری قوت کے ساتھ داہنے ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے۔

قوم کے لوگ جب واپس آئے اور بتوں کی یہ حالت دیکھی تو آگ بگولہ ہوئے، چیخ و پکار شروع ہوئی، بستی میں یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی اور پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔لوگ اکٹھا ہوئے اور مشترکہ طور پر یہ آواز بلند ہوئی کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ بے ادبی کرنے والا بڑا ظالم شخص ہے اس کو گرفتار کیا جائے اور قرار واقعی سزا دی جائے مجمع عام میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کرنے والا ابراہیم ہو سکتا ہے اسی کو ان بتوں کے خلاف باتیں کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، ابراہیم علیہ السلام کو لایا جاتا ہے مباحثہ شروع ہوتا ہے قرآن کا انداز بیان دیکھئے۔﴿مَنۡ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا فَتًى يَّذۡكُرُهُمۡ يُقَالُ لَهٗۤ اِبۡرٰهِيۡمُ قَالُوۡا فَاۡتُوۡا بِهٖ عَلٰٓى اَعۡيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡهَدُوۡنَ قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـَٔلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ ﴾ الأنبیاء ٥٩ تا ٦٣

ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے، بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے سب نے کہا اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھیں۔

کہنے لگے! اے ابراہیم کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے انھوں نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے تم اپنے معبودوں سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں۔

ابراہیم علیہ السلام نے قوم پر بھی اپنی حجت تمام کر دی لیکن کفر و شرک نے ان کے دلوں کو اس قدر سخت بنا دیا تھا کہ وہ حق کو قبول کرنے کے بجائے تعصب، اور قومی غیرت پر اتر آئے اور ابراہیم علیہ السلام کے برخلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

نمرود سے مباحثه :

عوام کے ساتھ اس مقابلہ میں کامیاب ہونے کے بعد اب حکومت اور اقتدار وقت سے مقابلہ کی نوبت آتی ہے بادشاہ وقت نمرود بھی مشرک، کینہ پرور اور ظالم تھا، مناظرہ شروع ہوتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام اسے بھی لاجواب کر دیتے ہیں قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴾ (البقرۃ ٢٥٨)

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔اب وہ کافر بھونچکا رہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ابراهيم عليه السلام آتش كى لپيٹ ميں:

ابراہیم علیہ السلام کا جواب سن کر بادشاہ وقت ہکا بکا رہ گیا اور وہ سرکشی پر آمادہ ہو گیا، اپنی شکست کی شرمساری سے بچنے کے لئے اور عوام کے مطالبہ پر حکم دیتا ہے کہ ابراہیم کو جلا دو۔ابراہیم علیہ السلام ایک اور آزمائش سے گزرتے ہیں۔قرآن کا انداز بیان دیکھئے ﴿قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِى الۡجَحِيۡمِ فَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ﴾ (الصافات ٩٧)

وہ کہنے لگے اس کے لئے ایک مکان بناؤ اور اس دہکتی ہوئی آگ میں اسے ڈال دو، انہوں نے ابراہیم کے ساتھ مکر کرنا چاہا لیکن ہم نے انہیں کو نیچا کر دیا۔

شاعر مشرق، ترجمان حقیقت علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

ابراهيم عليه السلام كى هجرت الى الله :

آگ کی لپیٹ سے بچنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ایک اور آزمائش ترک وطن اور ہجرت سامنے تھی، وطن کی مانوس و محبوب سرزمین کو داغ فراق دینا، اپنی دولت، اپنی وراثت اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر ایک نامعلوم مقام کی طرف کوچ کرنا بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے جسے اللہ کے خلیل نے ہنستے مسکراتے سرانجام دیا اور تاریخ انسانی میں سب سے پہلا مہاجر ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ہجرت حکومت وسلطنت سے ٹکرانے کے لئے نہیں، جہاد کے نام پر معصوم اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے اور دہشت پھیلانے کے لئے نہیں بلکہ انہیں اپنا ایمان اور عقیدہ محبوب تھا اس کی حفاظت اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے نکلے تھے، انہوں نے سوسائٹی میں کوئی ہنگامہ نہیں کیا اور نہ ہی بے گناہ لوگوں کے قتل وخون سے اپنے دامن کو تر کیا بلکہ ایک نئی دنیا میں جا کر دین حنیف کی تبلیغ شروع کردی۔قرآن کا انداز بیان دیکھئے:﴿وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾(الصافات ۹۷)

میں اپنا گھر بار سب چھوڑ رہا ہوں اور رہا یہ معاملہ کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا تو میں یہ معاملہ اللہ کے حوالہ کرتا ہوں وہی میری اس سلسلے میں رہنمائی فرمائے گا۔

آپ دریائے فرات کے مغربی کنارے سے ہوتے ہوئے حاران جو کوفہ ہی کی ایک بستی تھی وہاں پہونچے اور دین حنیف کی تبلیغ شروع کردی اس سفر میں آپ کی بیوی سارہ اور بھتیجے حضرت لوط مع اپنی بیوی کے ساتھ تھے کیونکہ وہ آپ پر ایمان لاچکے تھے(فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ) (العنکبوت:۲۶)

پس حضرت ابراہیم پر حضرت لوط ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں وہ بڑا ہی غالب اور حکیم ہے۔

پھر حاران سے یہ قافلہ فلسطین پہونچا اور پھر وہاں سے نابلس اور پھر مصر تشریف لے گئے اور یہاں پر کافی عرصہ تک دین حنیف کی دعوت وتبلیغ میں مصروف رہے۔

جوانی کی عمر ڈھلنے کے بعد اللہ نے آپ کو اسماعیل کی صورت میں اولاد عنایت فرمائی، اللہ کی بے نیازی دیکھئے، خلیل اللہ ہیں' لاڈلے نبی ہیں' معمار کعبہ ہیں مگر بے اولاد کیوں؟ بس اللہ کی مرضی، اللہ دینے پر اتر آئے تو کافروں اور فاسقوں کو درجنوں بچے دے دے اور اگر اسے امتحان مقصود ہو تو اپنے خلیل اور عظیم پیغمبر کو ترسا دے لیکن سوال یہ ہے کہ خلیل اللہ نے مایوسی کے ان لمحات میں اگر پکارا، تو کسے پکارا اولاد مانگی، تو کس سے مانگی اسی سے جس کے پاس اولاد دینے کا خزانہ ہے: ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾(الصافات ۱۰۰) اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما، تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔

بچے کی پیدائش کے بعد ابراہیم علیہ السلام ایک اور آزمائش سے گزرتے ہیں، ابراہیم خلیل اللہ اپنے فولادی عزم وارادے کے تحت اٹھ کھڑے ہوئے ہجرت کی دشوار گزار وادیوں اور خارزاروں کی طرف چل پڑے۔خلیل اللہ کا یہ مقدس قافلہ ریگستان عرب کے تپتے ہوئے سینے کو عبور کرتا ہوا تیزی کے ساتھ منزل مقصود کی طرف چلا جارہا تھا راہ حق کے ان مقدس مسافروں کا قافلہ تین افراد پر مشتمل تھا سیدنا خلیل تھے وفا شعار بیوی تھی اور آغوش مادر میں گلستان دل کا نونہال پودا تھا، یہ فرزندار جمند تھا جس کو آگے چل کر اولوالعزم پدر کی مسند نبوت پر متمکن ہونا تھا اور جس کے لئے مرکز کائنات ہونا مقدر کیا جاچکا تھا، سیدنا خلیل نے رخت سفر کو پیٹھ پر بار کرلیا تھا اور جناب ہاجرہ نے دوش پر تخت کو باندھ لیا تھا دور دراز اور طویل مسافت سے یہ مسافرین چور ہوکر اس سرزمین پر پہونچے جس کو تاریخ عالم کا وہ مرکزی مقام اور لائق صد احترام زمین کہا جاتا ہے جس کو ہم ارض حرم اور وادی کوہ صفا کے نام سے موسوم کرتے ہیں، بے آرام وسکون یہ لوگ کوہ صفا کے دامن میں فروکش ہوگئے، قدرت نے مقدر فرمادیا تھا کہ یہ مقدس ترین قافلہ اسی مقام پر نزول فرمائے گا۔

قربانی کا مرحلہ ابھی تمام نہیں ہوا اور آزمائش کی منزل ابھی ختم نہیں ہوئی ایک اور لرزہ خیز آزمائش یعنی محبوب ترین بیوی اور اکلوتے فرزندار جمند کی المناک جدائی تھی اس دردناک منظر پر غور کرنے کے لئے قلب مؤمن کی ضرورت ہے۔

ارض حرم اور وادی کوہ صفا کی فضائیں آج متمدن اور پر رونق شہر کی شکل میں نظر آرہی ہیں مگر آج سے پانچ ہزار سال پہلے جب اللہ کے اولوالعزم اور وفا شعار خلیل تلاش حق میں اپنے اہل وعیال کو لے کر یہاں تشریف لائے تھے اس وقت کی فضا کا تصور بھی قلب وجگر کو لرزا دیتا ہے چاروں طرف خوف کا عالم ہے تپتے ریگستانی میدانوں خوفناک پہاڑیوں کا دور دراز تک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ وہ بنجر اور بے آب وگیاہ سنگلاخ وادی ہے جس کو قرآن عزیز نے وادی غیر ذی زرع کا مناسب اور معقول لقب عطا فرمایا ہے ان خوفناک پہاڑیوں میں اور گرے پڑے کھنڈرات میں گزشتہ تہذیبوں کے آثار بھی نہیں ملتے یہ تپتی ہوئی ریگستانی سرزمین دور سے پانی سے بھری ہوئی کالی گھور گھٹاؤں کو دیکھتی ہے مگر نزول باران رحمت کے لئے زندگی بھر ترستی ہے۔

اس خوفناک اور شعلہ فگن وادی کا جس کی تلاش میں اللہ کے خلیل تشریف لائے تھے اس وادی غیر ذی زرع اور خشک زمین میں حکم الٰہی کے مطابق سیدنا خلیل نے سیدہ ہاجرہ اور شیرخوار لخت جگر اسماعیل کو اللہ کے حوالے فرمایا اور آگے بڑھے۔

آرام وسکون اور خیر وعافیت کی فضا میں آج بھی بال بچوں سے بسا اوقات جدا ہوتے ہوئے قلب وجگر کی کیفیت تبدیل ہوجاتی ہے اور دماغی توازن برقرار نہیں رہتا ان حالات میں سیدنا خلیل اور سیدہ ہاجرہ اور معصوم شیرخوار اسماعیل کی المناک جدائی کا تصور کرتے ہیں تو قلب وجگر کے ٹکڑے ہوجاتے ہیں۔

وادی غیر ذی زرع میں بیوی اور شیرخوار بچے کو چھوڑ کر سیدنا خلیل اللہ آگے بڑھے جب ذرا دور نکل گئے اور بیوی بچوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تو بال بچوں کی فطری جدائی کا اثر ہوا اور فرط محبت میں آنکھیں اشک بار ہوگئیں اسوقت پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوکر اللہ کے خلیل نے ایک دعا مانگی یہ دعا خاص معنیٰ رکھتی ہے اس کا تذکرہ قرآن مجید کے پاروں میں ہوا ہے﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ﴾(ابراہیم ۳۷)

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے

حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔اے پروردگار! یہ اس لئے کہ وہ صلاۃ قائم رکھیں پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے۔اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تاکہ یہ شکر گزاری کریں۔

اس دعا کی اثر آفرینی کا نظارہ کرنا چاہو تو آج عرب کے ریگستانی صحراؤں کی طرف ایک نگاہِ حقیقت ڈالو،ایام حج وقربانی میں سارے عالم سے کھینچ کر زائرین حرم وادی غیر ذی زرع میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور منیٰ کی غیر آباد پہاڑیاں اللہ اکبر کی کبریائی کے نغموں سے گونج جاتی ہیں فراوانی رزق کا یہ عالم ہے کہ عرب کا سنگلاخ علاقہ آج زر وجواہرات سے لبریز ہو رہا ہے اور یہ زمین بے آب وگیاہ سونا چاندی اور بے شمار پٹرول کے چشمے ابل رہی ہے۔

سیدنا ابراہیم دعا فرمانے کے بعد ارض فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے اور ماں آغوش الفت میں شیر خوار بچے کو دبائے ہوئے اس وادی وحشت میں اللہ کے توکل پر مطمئن ہو کر بیٹھی ہوئی تھیں سچ ہے ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق ۳) اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

بھروسہ ہے جنہیں اپنے خدا پر نہیں لیتے سہارا نا خدا کا

یہ داستان فراق والم اور حکایت کرب وبلا بڑی طویل ہے اس لئے اس داستان کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

آزمائش کی اہم ترین منزل:

یہ تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے اور ایک ایسی دشوار گزار آزمائش جس کو خود قرآن نے عظیم آزمائش کا نام دیا ہے اور یہ اکلوتے اور چہیتے فرزند ارجمند سیدنا اسماعیل ذبیح کے قربان کر دینے کا عظیم تاریخی کارنامہ ہے،جس نے خلیل اور ذبیح کو زندگی جاوید بخش دی۔حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد عمر کے آخری حصہ میں پیدا ہوئے دعائے سحری میں بطور خاص پروردگار سے اس فرزند سعید وصالح کو مانگا تھا اب آج اسی کو قربان کر دینے کا مطالبہ ہو رہا ہے۔

قرآن عزیز کے انداز بیان اور اسلوب کلام سے اندازہ ہو رہا ہے کہ ان آزمائشوں میں بھی پروردگار کو اپنے خلیل کے جذبات کا خاص لحاظ تھا جیسا کہ ذبح کے واقعہ میں ﴿اِنِّیْۤ اَرٰى فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ (الصافات ۱۰۲)

میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے۔

آئندہ چل کر فرزند سعید وصالح کو اولوالعزم باپ کی مسند نبوت پر جلوہ فگن ہونا تھا اس لئے دونوں کے کردار میں کم وبیش یگانگت اور مساوات ہونی چاہئے تھی قرآن عزیز کے بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ قربان گاہ کی آخری منزل پر پہونچ کر باپ بیٹے دونوں مثالی زندگی کا آئینہ ہو چکے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا تسلیم ورضا اور فدویت وجانثاری کے دو آفتاب وماہتاب تھے جو منیٰ کی قربان گاہ پر چمک رہے تھے

قرآن مجید کا بیان سنئے ﴿فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ﴾ (الصافات ۱۰۶)

غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا،بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں،درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔

دراصل اللہ تعالیٰ کو بیٹے کو ذبح کروانا مقصود نہیں تھا بس یہاں اس محبت کو ذبح کروانا مقصود تھا جو اکثر اللہ کی محبت کے درمیان رکاوٹ کی سب سے بڑی وجہ بن جاتی ہے،ابراہیم علیہ السلام نے خون کی بیتاب پیاسی چھری کو لخت جگر اسماعیل کے حلقوم پر رکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے سوا ان کو کوئی چیز عزیز نہیں ہے،امتحان وآزمائش کہ یہ وہ آخری شکل وصورت تھی جس کے بعد آزمائش وابتلاء کا کوئی اور اونچا درجہ باقی نہیں رہتا،یہی وجہ ہے کہ اس عظیم ترین واقعہ کو قدرت کی طرف سے وہ حسین قبولیت عطا ہوا کہ پروردگار نے خوش ہو کر فرمایا ﴿اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ البقرۃ ۱۲۴

میرے محترم اور قابل تقلید بندو اب ہم ابراہیم کو ساری کائنات کا امام اور پیشوا بنائے دیتے ہیں۔

محترم قارئین:زندہ قومیں اپنے اسلاف کی خدمات وتعلیمات کو جی جان سے سجوئے رکھتی ہیں اور اس پر کاربند رہتی ہیں اور آنے والی نسلوں کو مختلف صورتوں میں ان پر چلنے کی دعوت دیتی رہتی ہیں،ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اپنی عبادت اپنے اخلاق،اپنے معاملات،اپنی معاشرت بلکہ ہر چیز کا جائزہ لیں اور اپنی سیرت وکردار کو ابراہیمی صفات سے مزین کریں اور دنیائے انسانیت کو ایک دفعہ پھر توحید خالص کا صحیح پیغام ان تک پہونچائیں اور اللہ کے بندوں کو قبر پرستی،مزار پرستی،مظاہر پرستی سے نکال کر توحید کے رنگ میں رنگ دیں یہی اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور اسی پر چل کر امت مسلمہ نجات اور کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی انداز گلستاں پیدا

رب العالمین ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔

☆☆☆

ضرورت استاذ: مدرسہ اسلامیہ سلفیہ کھریانواں،ضلع اورنگ آباد بہار کے لیے ایک حافظ عالم کی ضرورت ہے جو امامت وخطابت کے ساتھ شعبۂ حفظ کی ذمہ داری سنبھال سکے۔قیام وطعام کے ساتھ تنخواہ معقول دی جائے گی۔تفصیل کے لئے رابطہ کریں۔توقیر احمد،رابطہ نمبر 8969102526)

سلمیٰ بی، ریسرچ اسکالر، دینیات، علیگڑھ

عیدِ قرباں کا پیغام

یہ دنیا دارالامتحان ہے اللہ رب العزت اس میں تمام بندوں کو آزماتا ہے جو جتنا برگزیدہ اور مقرب بندہ ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے چنانچہ انبیاء کرام کا امتحان عام لوگوں کے امتحان وآزمائش سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے انہیں انبیاء کرام میں سے ایک برگزیدہ ہستی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے جنھوں نے اپنی اولاد کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دی اور ایثار وقربانی، صبر واستقامت اور ثابت قدمی کی ایسی بےنظیر ولاثانی مثال قائم کی کہ اللہ رب العزت نے اس کو سنتِ ابراہیمی کے نام سے قیامت تک کے لوگوں کے لئے جاری کردی ہے۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایثار وقربانی اور حصولِ رضائے الٰہی کا وہ جذبہ ہی تھا جس کی بنیاد حضرت ابراہیم السلام نے گھر، وطن اور دولت تو چھوڑی ہی بلکہ بادشاہ وقت سے بھی ٹکرا گئے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی بیوی اور ننھے سے دودھ پیتے بچے کو بےآب گیاہ میدان میں بےسہارا چھوڑ آئے اور خود بھی آگ کے دہکتے ہوئے الاؤ میں ڈالے گئے یہاں تک کہ خوشنودیٔ رب کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان ہی نہیں، لختِ جگر کی قربانی کے آخری حکم کی بھی تعمیل کی۔

اخلاص وسچائی اور ایثار وقربانی کا یہ ایک ایسا بےنظیر واقعہ ہے جس کی مثال پوری تاریخ عالم میں عنقا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس بلند ترین عمل کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا تاکہ عیدِ قرباں کی تاریخی حیثیت پر نگاہ رکھتے ہوئے بندۂ مومن اپنے اندر بھی وہ جذبہ ومحبت پیدا کرے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے وہ سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

عیدِ قرباں کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر قربانی کی وہی روح، اسلام و ایمان کی وہی کیفیت اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ محبت ووفاداری کی وہی شان پیدا ہو جس کا مظاہرہ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں کیا تھا اگر کوئی انسان محض ایک جانور کے گلے پر چھری پھیرتا ہے اور اس کا دل اس روح سے خالی رہتا ہے جو قربانی میں مطلوب ہے تو ایسی قربانی مقبول نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو اس جذبۂ ایثار اور ایمانی کیفیات کو دیکھتا ہے جو بندہ کے اندر قربانی کے وقت موجود ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْكُمْ (سورہ الحج: ۳۷)

ترجمہ. اللہ تعالیٰ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت یا خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کا مقصد تقویٰ اور خوفِ خدا کا پیدا کرنا ہے قربانی کے ذریعہ اطاعت خداوندی کی سرشاری اور ایمانی جذبات کو ولولہ انگریزی کے ساتھ ادا کرنا ہے یہی وجہ کہ قرآن مجید نے تقویٰ کے لئے کوئی الگ سے وظائف بیان نہیں کئے بلکہ دین پر اس کے سارے تقاضے پورے کرتے ہوئے عمل کرنا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ ہے۔

اپنی پوری زندگی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق بسر کرنا، دین کے احکام پر عمل کرنے میں پورے آداب کا خیال رکھنا، معیشت و معاشرت میں شریعت کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کرنا اور دین سے خلوص اور خیرخواہی کے ساتھ وابستہ رہنا غرض یہ کہ تمام تقاضوں کے ساتھ مسلمان بن جانا اسی کا نام تقویٰ ہے۔

درحقیقت تقویٰ میں اصل شئی جس کا اہتمام مطلوب ہے وہ زندگی کو دین کے سانچے میں ڈھال لینا ہے کوئی شخص کتنی ہی عبادتیں کرلے اس وقت تک تقویٰ کا مقام حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ حلال وحرام میں امتیاز اور حقوق وفرائض کے ادا کرنے میں دین کی دی ہوئی ہدایات پر بھی اسی سرگرمی سے عمل نہیں کرتا جس سرگرمی کے ساتھ وہ عبادت میں مشغول رہتا ہے۔

تقویٰ کی اہمیت کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص اگر اپنے گھر کے ایک کونے میں چراغ روشن کرکے رکھ دے یہ ضرور ہے کہ وہ کونا بہت روشن نظر آئے گا لیکن اس کا نتیجہ یہ بھی نکلے گا کہ باقی گھر کم روشن اور بعض کونے بالکل تاریک ہونگے لیکن اگر یہی چراغ گھر کی مرکزی جگہ پر رکھ دیا جائے تو جو کچھ بھی روشنی ہوگی وہ سارے گھر کو منور کر دے گی تقویٰ کا چراغ دل میں رکھنے کی چیز ہے اسے دل کے طاق سے اتار کر جسم کے گوشے میں رکھ دینا ظاہر ہے کہ منفی نتائج ہی پیدا کرے گا اسی حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے سینے کی طرف ارشارہ کرکے **التقوی ھھنا**، تقویٰ یہاں ہے کے الفاظ باربار دوھرا کر واضح کیا ہے۔

یہی تقویٰ ہے جو قدموں کو جادۂ حق پر گامزن رکھتا، جو دل کو غلط سوچنے نہیں دیتا، جو آنکھوں کو وہی دیکھنے دیتا ہے جو دیکھنا درست ہے، کانوں کو وہی سننے دیتا

ہے جوسننا درست ہے، زبان کو وہی بولنے دیتا جو بولنا درست ہے، جو ہاتھوں کو باندھتا اور پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے کہ غلط سمت میں اٹھنے اور چلنے سے بچ جائیں؛ یہی وہ تقوی ہے جو انسان کی جلوت اور خلوت میں نمایاں ہونا چاہئے آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں جلوت اور خلوت میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ہمارے لئے بڑی نصیحت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی تعمیل کریں ،اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کر دیں ،ذات وبرادری، رنگ ونسل اور امیر وغریب کے سارے امتیازات کو ختم کر کے اخوت ومساوات اور ایک اللہ کی عبادت وبندگی کی فضاء قائم کریں گے۔

آج پوری دنیا میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں وہ کسی بھی ذی ہوش شخص سے مخفی نہیں ہیں برما میں روہنگیا مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے بودھ جب چاہتے ہیں ان کے خلاف فساد برپا کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں برمی حکومت نے ان کو عملا دوسرے درجہ کا شہری قرار دیا ہوا ہے؛ فلسطین میں مسلمانوں پر مظالم کی شب تاریک بہت طویل ہوچکی ہے وہ ساٹھ سالوں سے صیہونی ظالموں سے نبرد آزما ہیں صیہونی جب چاہتے ہیں ان کے علاقوں پر راکٹ داغتے ہیں، ٹینک لے کر گھس جاتے ہیں، ان کی کھڑی فصلوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔

شام میں بشارالاسد کی فوجیں اپنے ہی ملک کے شہریوں کا قتل عام کر کے نئے ریکارڈ قائم کر رہی ہیں ویسے بشارالاسد کا باپ بھی سنی مسلمانوں کے ایک احتجاجی مظاہرے پر حملہ کروا کے تمام مظاہرین کا قتل عام کرادیا تھا جس میں تیس ہزار سنی مسلمان مارے گئے تھے عراق میں کوئی دن نہیں جاتا جب کچھ نام ونہاد مسلمان خودکش دھما کہ کر کے عراقیوں کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیتے ہوں افغانستان میں امریکی فوجیں تاحال برقرار ہیں اور جب جی چاہتا ہے کسی گاؤں پر بم پھینک کر بعد میں معذرت کر دیتی ہیں ڈرون حملے پاکستان اور یمن میں تواتر سے ہو رہے ہیں اور طاقت کی بنیاد پر امریکہ بغیر کسی قانونی کارروائی کے لوگوں کو ہلاک کر رہا ہے محض اس لئے کہ وہ امریکہ کی نگاہ میں مجرم ہیں ان ڈرون حملوں میں مطلوبہ شخص کے ساتھ معصوم بچے، بچیاں، مرد وعورت سبھی مر رہے ہیں وطن عزیز ہندوستان میں بھی صورتِ حال خوش آئندہ نہیں ہے فسادات یا پھر دوسرے لفظوں میں ہجوم کی من مانی کو اکثریت نے اپنا شعار بنالیا ہے اور ہندوستان میں اب تک ہوئے فسادات میں لاکھوں مسلمان اپنی جان اور اربوں کی دولت کھو چکے ہیں اور ان فسادیوں کے خلاف آج تک کارروائی بھی نہیں ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ دورِ حاضر کے نمرود نے مسلمانوں پر زندگی تنگ کر رکھی ہے وہ خوف کی زندگی جینے پر مجبور ہیں انہیں معلوم نہیں کہ آئندہ کل ان کے لئے خوشی لے کر آئے گا یا پھر ان کی تباہی وبربادی کی نئی داستان رقم ہوگی ان نازک ترین حالات اور تشویش ناک صورتِ حال میں ابراہیم علیہ السلام کی بے نظیر قربانی ہمیں سبق دیتی ہے کہ ہم ایثار وقربانی کو ہر سطح پر حرزِ جاں بنالیں لہذا ہمیں اسوہ ابراہیمیؑ کی پیروی کے اس عظیم الشان موقع پر اس بات کا عہد کرنا چاہیئے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر اسلام کی اجتماعی بہتری اور مسلمانان عالم کی فلاح وبہبود میں سچے دینی جذبہ کے ساتھ حصہ لیں۔

جس طرح مسلمان جانور کی قربانی پیش کرتے ہیں اسی طرح نفسانی خواہشات کو بھی قربان کر دیں گے تاکہ اختلاف و انتشار ،بغض و حسد ،کبرو غرور، عناد ودشمنی، مکروفریب اور انسانیت کی تباہی کا سبب نہ بنیں۔ بلکہ ہم مسلمان غلامانِ محمد ﷺ کا دعویٰ کرنے والے، نہ جھوٹ اور بے ایمانی چھوڑنے پر تیار، نہ ناحق مال وزر کی حرص وہوس قربان کرنے پر آمادہ ،دھوکہ وفریب ،جھوٹی گواہی دینا ایک دوسرے پر تہمت لگانا ،غیبت ،امانت میں خیانت کرنا ،وعدہ خلافی ،ہر ایک کو اپنے سے کم تر وذلیل سمجھنا یہ تمام خرابیاں موجود ہیں جبکہ آپ ﷺ نے صاف صاف فرما دیا ہے، کہ جو امانت میں خیانت کرے وہ ہم میں سے نہیں، جو کسی کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، جو تہمت لگائے وہ ہم میں سے نہیں۔ سخت وعیدوں کے باوجود برائیوں اور نا فرمانیوں کا سیلِ رواں تھمنے کا نام نہیں لے رہا۔

ایسا بھی نہیں کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ جو کر رہے ہیں وہ غلط ہے جب وہ کسی کو کھڑے ہو کر پانی پیتے دیکھ لیتے ہیں تو اس کو ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیتے ہو اور اس کو ذلیل کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے جب کہ خود سودخوری اور حرام جیسی بڑی بڑی برائیوں میں ملوث ہیں لیکن وہ اپنے دیندار ہونے کی دھونس دوسرے لوگوں پر بٹھانا چاہتے ہیں کون نہیں جانتا کہ کسی مسلمان کو ذلیل کرنا بڑا گناہ ہے، پڑوسیوں کو ستانا گناہ ہے، ناحق کسی کے مال پر قبضہ کرنا گناہ ہے، رشوت اور حرام خوری گناہ ہے لیکن پھر بھی سب کچھ ہو رہا ہے اور حد تو اس وقت ہو جاتی ہے جب اسی حرام مال سے قربانی ادا کی جاتی ہے اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے نام پر بھی قربانی کرا دیتے ہیں اور یہاں بھی دکھلاوا اور ریاکاری کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تاکہ محلّے والے اور رشتہ دار سمجھیں اور کہیں کہ بھائی یہ لوگ بڑے دیندار ہیں جو ہر سال دو قربانیاں کراتے ہیں۔

یہ تمام برائیاں اور خرابیاں تبھی دور ہوسکتی ہیں جب آخرت پر یقین وایمان مضبوط وپختہ ہوگا جب اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا یقین ہوگا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ تمام برائیوں سے اسی وقت بچا جاسکتا ہے جب اس بات کا یقین ہو کہ ایک غیبی آنکھ ہم کو دیکھ رہی ہے اور ہمارے ہر عمل پر اس کی نظر ہے اور وہ اللہ

رب العزت ہے جو دلوں کا حال وکیفیت کو جانتا ہے کہ ہمارے دل میں کیا چل رہا ہے۔اپنی نفسانی خواہشات کو دبانا اسی وقت آسان ہوگا جب فانی دنیا کی چند دنوں کی زندگی کو امتحان اور آزمائش کی کڑی تصور کیا جائے گا؛سودخوری اور حرام خوری سے اسی وقت اجتناب کیا جا سکتا ہے جب اسلام کا نقطۂ نظر اختیار کیا جائے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور ایک بھائی کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے بھائی کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہے اور اس کے ساتھ ہمیشہ بھلائی وخیر خواہی کا معاملہ کرے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورہ الانعام:۱٦۲)

ترجمہ.آپ ﷺ فرمادیجئے کہ بے شک میری نماز،میری قربانی،میرا جینا اور مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔

جب ہم مسلمان قربانی کرتے ہیں تو یہ دعا پڑھتے ہیں اور اقرار بھی کرتے لیکن اسی دن کی نماز کھانے پینے کی نذر ہو جاتی ہے جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت کرنے والے ہیں اور محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ انسان اپنے محبوب کے لئے ہر چیز قربان کردے خواہ وہ چیزیں ہوں جن کو کرنے کا حکم ہوا ہو یا وہ چیزیں ہوں جن سے رکنے اور بچنے کا فرمان ہو؛اس میں دونوں طرح کے احکام شامل ہیں جن لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے آگے اپنی مرضیات ومرغوبات کو بھی بہت آسانی کے ساتھ قربان کردیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی صرف ایک غلام کی اپنے آقا کے سامنے فرماں برداری واطاعت شعاری ہی نہیں تھی بلکہ آقا کی محبت حاصل کرنے کے لئے ایک غلام کی لافانی محبت کا اظہار بھی تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے لاڈلے بیٹے کو اس کے نام پر قربان کردیں؛انہوں نے بغیر سوال کے اس فرمان الٰہی کی تعمیل فرمائی اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خالق کے حقوق اور مخلوق کی حدود سے اچھی طرح واقف تھے کہ خالق کا حق یہ ہے کہ اس کی مکمل اطاعت شعاری کا مظاہرہ کیا جائے اور مخلوق کی حد یہی ہے کہ خالق کے حکم پر اپنا سر جھکا دے اور اس سے ایک قدم بھی روگردانی نہ کرے۔ ☆☆

ہماری جانب سے تمام مؤقر قارئین اور ہندوستان وعالم اسلام کے مسلمانوں کو عیدالاضحیٰ مبارک ہو۔

(دفتر جریدہ ترجمان)

قربانی کے مبارک موقع پر

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی اہم وگوناگوں سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں بھرپور مدد فرمائیں

مرکزی جمعیت کے جملہ شعبہ جات اپنی اپنی جگہ فعالیت کا مظاہرہ کررہے ہیں۔المعہد العالی میں بھی بچوں کی تعلیم وتربیت اور تخصص کا بہترین انتظام ہے وہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں رواں دواں ہے۔تعمیراتی عزائم کی تکمیل بھی شدہ شدہ ہورہی ہے۔تصنیف وتالیف کے میدان میں زبردست پیش رفت ہوئی ہے۔غرضیکہ تمام شعبے بحسن وخوبی اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن ان تمام کی فعالیت وسرگرمی تیز کرنے میں آپ حضرات کا مالی تعاون کا کردار بھی کم اہم نہیں رہا ہے۔تمام محسنین واہل خیر اور جماعتی ہمدردی رکھنے والے حضرات سے پرخلوص گزارش ہے کہ قربانی کے مبارک موقع پر اپنا ایثار وجذبہ اور جمعیت کو چرم قربانی دینا ہرگز نہ بھولیں۔جہاں کہیں بھی قربانی کریں جمعیت کو یاد رکھیں۔مرکزی جمعیت کے استحکام کے لیے اپنا تعاون چیک یا ڈرافٹ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے نام سے بنوائیں۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c 629201058685, ICIC Bank (Chandni Chowk Branch) RTGS/NEFT IFSC Code-ICIC0006292

آپ کے بھرپور مالی تعاون کا منتظر

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند 4116،اردو بازار،جامع مسجد،دہلی۔٦ Ph. 23273407, Fax No. 23246613

عبدالولی عبدالقوی
سعودی عرب

عیدین کے احکام ومسائل - کتاب وسنت کی روشنی میں

الحمد لله و الصلاة و السلام على من لا نبي بعده:

(۱) عیدین کی نماز کا حکم:

اہل علم کے راجح قول کے مطابق نماز عیدین ہر عاقل وبالغ مسلمان مرد پر واجب ہے۔ کیوں کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿فصل لربک و انحر﴾ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

قتادہ، عطاء اور عکرمہ رحمہم اللہ نے فرمایا: اس آیت کریمہ میں نماز پڑھنے سے مراد عید الاضحیٰ کی نماز ہے۔ (الجامع لأحکام القرآن ۱۰/۱۵۶)

رسول اللہ ﷺ نے پہلی نماز عید سن ۲ ہجری میں ادا فرمائی، پھر اس کے بعد آپ اپنی پوری حیات مبارکہ اس کی ادائیگی فرماتے رہے، آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا بھی یہی طرز عمل رہا، اسی پر بس نہیں بلکہ آپ نے عورتوں کو بھی عیدگاہ لے جانے کا حکم دیا۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم عورتوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں (عیدگاہ) لے جائیں، جوان لڑکیوں، حیض والی عورتوں اور پردہ نشین خواتین کو بھی، البتہ حیض والی عورتیں نماز سے الگ رہیں اور خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی بہن اس کو اپنی چادر اڑھادے۔ (بخاری، العیدین ۸۹۰، ترمذی، العیدین ۵۳۹) نیز نماز عیدین اسلام کے ظاہری شعائر میں سے ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی وجہ سے ہم نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ نماز عیدین سب پر واجب ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ۲۳/۱۶۱)

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ عید کی نماز ہر ایک پر فرض ہے، کیوں کہ نبی ﷺ صحابہ کو اس پر ابھارتے تھے، حتی کہ آپ جوان لڑکیوں، پردہ نشین خواتین اور حیض والی عورتوں کو بھی عیدگاہ لے جانے کا حکم دیتے تھے، ہاں، حیض والی عورتوں کو نماز سے الگ رہنے کا حکم دیتے تھے۔ (المختارات الجلیۃ ص ۷۲)

(۲) عیدین کی نماز کا وقت:

نماز عیدین کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سورج کے ایک نیزہ بلند ہوجانے کے بعد سے لے کر زوال آفتاب تک ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

نماز عیدین کا وقت سورج کے بلند ہونے اور وقت ممانعت کے ختم ہوجانے کے بعد سے لے کر زوال آفتاب تک ہے اور اگر طلوع ہلال کی خبر زوال آفتاب کے بعد ملے، تو امام دوسرے دن عیدگاہ نکلے اور لوگوں کو عید کی نماز پڑھائے۔ (الکافی ۱/۵۱۴)

ابوعمیر بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: میرے چچاؤں نے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے انصاری ساتھیوں میں سے تھے، مجھے یہ حدیث بتلائی کہ شوال کا چاند ابر کی وجہ سے دکھائی نہ دیا، ہم نے (دوسرے دن کی) صبح کو روزہ رکھ لیا، پھر دن کے آخر میں سواروں کی ایک جماعت آئی اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو یہ گواہی دی کہ انھوں نے کل چاند دیکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزہ کھول دیں اور اگلے دن نماز عید کے لئے نکلیں۔ (ابن ماجہ ۱۶۵۳، مسند احمد ۵/ ۵۸، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/ ۲۷۶)

(۳) نماز عید ادا کرنے کی جگہ:

عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا مسنون ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن عیدگاہ نکلتے تھے، عیدگاہ پہنچ کر سب سے پہلے نماز عید ادا فرماتے تھے۔ (بخاری، العیدین ۸۸۹)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف جایا کرتے تھے اور نیزہ آپ کے آگے ہوتا، نیزہ کو عیدگاہ میں لے جاکر آپ کے سامنے نصب کیا جاتا اور آپ اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے۔ (بخاری، العیدین ۹۷۳)

رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے بلا کسی عذر نماز عیدین مسجد میں پڑھی ہو کیوں کہ نماز عیدین میدان میں ادا کرنے سے (کافروں کے دلوں میں) اسلام اور مسلمانوں کی ہیبت کا سکہ بیٹھتا اور اسلامی شعائر کا اظہار ہوتا ہے۔ (الملخص الفقهی للفوزان ص ۲۶۹)

اور اگر بارش یا دشمن کا خوف یا کوئی اور عذر ہو جس کی بنا پر عیدگاہ جانا مشکل ہو تو لوگ جامع مسجد میں نماز پڑھ لیں۔ (المغنی ۳/ ۲۶۱)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نماز عیدین کی سنت یہ ہے کہ چاشت کے وقت سورج کے سفید ہوجانے کے بعد

نفل نماز کے جائز ہوجانے کے وقت ہر شہر اور بستی کے لوگ اپنے گھروں کے قریب کشادہ میدان کی جانب نکلیں اور اگر عیدگاہ جانے میں کوئی مشقت ہو تو نماز عید باجماعت جامع مسجد میں ادا کرلیں، جیسا کہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے عید کے دن بارش ہونے کی بنا پر لوگوں کو مسجد میں نماز عید پڑھائی۔ (المحلی ۵/۸۱-۸۷)

(۴) نماز عیدین سے پہلے اذان واقامت یا اور کوئی ندا نہیں:

رسول اللہ ﷺ نماز عیدین بغیر اذان واقامت کے ادا فرماتے تھے۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز عیدین ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ بلا اذان و اقامت کے پڑھی۔ (مسلم/العیدین باب صلاۃ العیدین ۸۸۷)

عبداللہ بن عباس اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن (رسول اللہ کے زمانہ میں) اذان نہیں دی جاتی تھی۔

(بخاری/العیدین ۹۶۰، مسلم، صلاۃ العیدین ۸۸۶)

یہ حدیث دلیل ہے کہ نماز عید میں اذان واقامت مشروع نہیں ہے بلکہ اذان و اقامت کہنا بدعت ہے۔ (سبل السلام ۲/۹۴)

عطاء بیان کرتے ہیں کہ مجھے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ عیدالفطر کے دن نماز کے لئے اذان نہیں، نہ امام کے نکلنے کے وقت اور نہ اس کے نکلنے کے بعد اور نہ تو اقامت ہے اور نہ ندا، اور نہ کچھ اور اس دن ندا نہیں ہے اور نہ اقامت۔ (مسلم، العیدین باب صلاۃ العیدین ۸۸۶)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب عیدگاہ پہنچ جاتے تو بغیر اذان واقامت یا الصلاۃ جامعۃ جیسے کلمات کہے بغیر نماز شروع فرمادیتے اور سنت یہی ہے کہ ایسی کوئی بات نہ کہی جائے۔ (زادالمعاد ۱/۴۲۵)

(۵) نماز عیدین سے پہلے یا بعد میں کوئی سنت نہیں:

نماز عید صرف دو رکعت ہے اس سے پہلے یا بعد کوئی سنت نہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن نکلے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی اور آپ نے اس سے پہلے یا بعد کوئی اور نماز نہیں پڑھی اور آپ کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ (بخاری/العیدین ۸۸۴)

لیکن اگر عید کی نماز بارش یا کسی اور عذر کی بنا پر مسجد میں ہو رہی ہو تو مسجد میں داخل ہونے والے دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذا دخل أحدكم المسجد فلا يجلس حتى يصلي ركعتين"، جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔ (بخاری ۴۴۴، مسلم ۷۱۴)

(۶) عیدین کی نماز کا طریقہ:

(أ) عیدین کی نماز دو رکعت ہے، جس کی پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور دعائے ثنا کے بعد سات زائد تکبیریں کہی جائیں اور دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بعد پانچ زائد تکبیریں کہی جائیں۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"التكبير في الفطر سبع في الاولى و خمس في الآخرة و القراءة بعدهما كلتيهما" عیدالفطر میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں ہیں اور قراءت دونوں رکعتوں کی تکبیروں کے بعد ہے۔ (ابوداؤد/الصلاۃ ۱۱۵۱، ترمذی/الجمعۃ ۵۳۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد/۳۱۵)

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز میں رکوع کی تکبیر کے علاوہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

(ابوداؤد/الصلاۃ باب التکبیر فی العیدین ۱۱۴۹، ابن ماجہ/اقامۃ الصلوات ۱۲۸۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد/۳۱۵)

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر ادا کی تو انھوں نے پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔ (مؤطا امام مالک، العیدین باب ماجاء فی التکبیر والقراءۃ فی العیدین ح ۹)

۞ تکبیرات زائدہ کا حکم:

(أ) تکبیرات زائدہ سنت ہیں واجب نہیں ہیں، ان کو جان بوجھ کر یا بھول کی وجہ سے چھوڑ دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، چنانچہ اگر امام تکبیرات زائدہ بھول جائے اور قراءت شروع کردے تو یاد آنے پر تکبیرات کہنے کے لئے نہ لوٹے۔ (المغنی ۳/۲۷۵)

(ب) ہر تکبیر پر رفع الیدین کریں:

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے دیکھا۔ (مسند احمد ۴/۳۱۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۳/۱۱۳ ح ۶۴۱)

امام ابن القیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔ زادالمعاد ۱/۴۲۵

(ج) پھر امام اونچی آواز سے اور مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ پڑھیں:

عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ (بخاری ۷۵۶، مسلم ۳۹۴)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی، پس وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے پوری نہیں۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (پھر بھی پڑھیں؟) تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، تو اس کو دل میں پڑھو۔

(مسلم، الصلاة باب وجوب القراء ة فی کل رکعة ح ۳۹۵)

(د) پھر امام اونچی آواز سے قراءت کرے اور مقتدی چپ چاپ سنیں:

ایک صحابی رسول بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے تین بار دریافت فرمایا: جب امام تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو شاید تم بھی پڑھتے ہو، صحابہ کرام نے کہا: ہاں، ہم ایسا کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"**فلا تفعلوا الا أن یقرأ أحدکم بفاتحة الکتاب**" ایسا نہ کرو صرف سورہ فاتحہ پڑھ لو۔(مسند احمد ج ۵/۴۱۰، حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔دیکھئے: تلخیص الحبیر ج ۱/۲۳۱)

نماز عیدین میں سورہ فاتحہ کے بعد قراءت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مندرجہ ذیل دو طریقے ثابت ہیں:

پہلا طریقہ: پہلی رکعت میں سورہ ق اور دوسری میں القمر پڑھی جائے:

عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں کیا پڑھتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: آپ ان میں ﴿**ق و القرآن المجید**﴾ اور ﴿**اقتربت الساعة و انشق القمر**﴾ پڑھا کرتے تھے۔(مسلم/ صلاة العیدین باب ما یقرأ فی صلاة العیدین ۸۹۱)

دوسرا طریقہ: پہلی رکعت میں سورۃ الاعلی اور دوسری میں سورۃ الغاشیۃ پڑھی جائے:

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں عیدوں اور جمعہ میں ﴿**سبح الاسم ربک الاعلی**﴾ اور ﴿**ھل أتاک حدیث الغاشیة**﴾ پڑھتے تھے۔اور جب عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں اکٹھا ہو جاتے تو آپ دونوں نمازوں میں انھیں دونوں سورتوں کی تلاوت فرماتے۔(مسلم/ الجمعہ باب ما یقرأ فی صلاة الجمعہ ۸۷۸)

(ل) پھر سلام پھیرنے کے بعد امام لوگوں کو خطبہ دے جس میں انھیں وعظ و نصیحت کرے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے اور سب سے پہلا کام یہ کرتے کہ نماز عید پڑھتے اور نماز کے بعد لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے، لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، آپ انھیں وعظ و نصیحت کرتے، اچھے کاموں کا حکم دیتے۔(بخاری/ العیدین باب الخروج الی المصلی بغیر منبر ۹۵۶)

۞ خطبہ میں حاضر ہونے کا حکم:

صحیح قول کے مطابق خطبہ میں حاضر ہونا سنت ہے۔

عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوا جب آپ نے نماز پوری کر لی تو فرمایا: ہم خطبہ دیں گے لہٰذا جو خطبہ کے لئے بیٹھنا چاہے بیٹھے اور جو جانا چاہے چلا جائے۔(ابوداؤد/ الصلاة ۱۱۵۵، ابن ماجہ ۱۲۹۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۱/۲۱۴ ح ۱۰۲۴)

(۷) جب عید جمعہ کے دن پڑ جائے:

جب عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جائیں، تو اہل اسلام عام دستور کے مطابق نماز عید ادا کریں گے، البتہ جمعہ کے بارے میں انھیں اختیار ہوگا کہ وہ چاہیں تو اس کو ادا کریں اور چاہیں تو اس میں شرکت نہ کریں۔

ایاس بن ابو رملہ شامی بیان کرتے ہیں کہ میری موجودگی میں معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں دو عیدوں (عید الفطر یا عید الاضحیٰ اور جمعہ) کو ایک دن میں جمع ہوتے دیکھا؟ انھوں نے جواب میں کہا: "ہاں" معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر کیا کیا؟ انھوں نے بتلایا: آپ ﷺ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ کے بارے میں رخصت دی اور فرمایا: جو پڑھنا چاہے پڑھ لے۔(ابوداؤد ۱۰۷۰، الدارمی ۱/۴۵۹، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۱/۱۹۹)

یہ حدیث دلیل ہے کہ نماز عید کی ادائیگی کے بعد نماز جمعہ رخصت کے حکم میں ہوگی اس کا پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں درست ہوگا، یہ رخصت اس کے لئے ہوگی جس نے نماز عید ادا کی ہو۔(سبل السلام للصنعانی ۲/۴۷)

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو عیدیں (عید الفطر یا عید الاضحیٰ اور جمعہ) ایک دن میں جمع ہو گئیں، آپ ﷺ نے لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا: جو جمعہ میں آنا چاہے وہ آئے اور جو نہ آنا چاہے وہ نہ آئے۔(ابن ماجہ ۱۳۱۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/۲۲۰)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے اس دن میں دو عیدیں جمع ہو چکی ہیں، اگر کوئی چاہے تو یہ (نماز عید کا ادا کرنا) جمعہ کے ادا کرنے سے اس کی کفایت کرے گا، اور ہم تو یقیناً جمعہ ادا کرنے والے ہیں"۔

(ابوداؤد ۱۰۷۳، مستدرک حاکم ۱/۴۲۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابوداؤد ۱/۲۰۰ ح ۹۴۸)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید اور جمعہ کے ایک

دن جمع ہونے کی صورت میں عیداور جمعہ کی دونوں نمازیں ادا کرتے تھے، لہذا امام نماز عید پڑھانے کے بعد نماز جمعہ بھی پڑھائے گا، لیکن مقتدیوں کے لئے رخصت ہوگی کہ وہ جمعہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں عیدوں اور جمعہ میں ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾ اور ﴿هل أتاک حديث الغاشية﴾ پڑھتے تھے۔اور جب عیداور جمعہ دونوں ایک دن میں اکٹھا ہوجاتے ،تو آپ دونوں نمازوں میں انھیں دونوں سورتوں کو پڑھتے۔(مسلم،الجمعہ باب مایقرأفی صلاۃ الجمعہ ۸۷۸)

علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اس مسئلہ میں فرماتے ہیں:

جمعہ کے امام وخطیب پر واجب ہے کہ وہ عید اور جمعہ کے ایک دن ہونے کی صورت میں مسجد میں آکر جمعہ پڑھائے، نبی اکرم ﷺ عید کے دن بھی جمعہ کا اہتمام فرماتے،لوگوں کو نماز عید پڑھاتے پھر نماز جمعہ بھی پڑھاتے ،جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔(مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ۱۲/ ۳۴۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمعہ کے دن عید پڑ جانے کی صورت میں نماز عید ادا کرلینے والوں سے نماز جمعہ کی ادائیگی ساقط ہوجاتی ہے، وہ چاہیں تو جمعہ پڑھیں اور چاہیں تو نہ پڑھیں،لیکن امام جمعہ قائم کرے گا اور نماز جمعہ میں شریک ہونے والوں کو نماز جمعہ پڑھائے گا،اور نماز جمعہ میں شریک نہ ہونے والوں پر لازم ہوگا کہ وہ چار رکعت نماز ظہر ادا کریں۔

(۸) عیدین کے مسنون ومستحب آداب:

(۱) غسل کرنا اور خوشبو استعمال کرنا:عیدین کے دن غسل کرنا،خوشبو استعمال کرنا اور مسواک کرنا مستحب ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:عیدین کے دن کے غسل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے،اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ غسل،غسل جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے مستحب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ان هذا يوم عيد جعله الله للمسلمين فمن جاء الى الجمعة فليغتسل و ان كان طيب ليمس منه و عليكم بالسواک''

یقیناً اس (جمعہ کے دن) کو اللہ تعالی نے مسلمانوں کے لئے عید بنایا ہے، پس جو شخص جمعہ کے لئے آئے، اس کو چاہئے کہ غسل کرے اور اگر خوشبو میسر ہو تو اس کو استعمال کرے اور تم اپنے اوپر مسواک کو لازم کرلو۔ (ابن ماجہ ۱۰۸۵،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح سنن ابن ماجہ ج۱/ ۱۸۱)

امام مالک رحمہ اللہ نے نافع سے روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔(موطا امام مالک ج۲،مسند الشافعی ج۱/ ۳۰۷ ح ۳۱۸،مصنف عبدالرزاق ج۳/ ۳۰۹)

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:غسل عیدین کے مستحب ہونے پر سب سے اچھی دلیل سنن بیہقی (ج۳/ ۲۷۸) کی روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جمعہ، عرفہ،عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن غسل کرنا چاہئے۔ (ارواء الغلیل ج۱/ ۱۷۶،اس حدیث کی سند صحیح ہے)

سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ نے کہا:عیدالفطر میں تین چیزیں سنت ہیں (۱) عیدگاہ پیدل چل کر جانا (۲) جانے سے پہلے کچھ کھانا (۳) غسل کرنا۔(ارواء الغلیل ج۳/ ۱۰۴)

(۲) اچھے کپڑے زیب تن کرنا:

عید کے لئے عمدہ لباس پہن کر جانا مستحب ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''رسول اللہ ﷺ عیدین کے موقع پر خوبصورت ترین لباس زیب تن فرماتے تھے''۔ (زادالمعاد ۱/ ۴۲۵)

اس کی تائید عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے ہوتی ہے انھوں نے کہا:''رسول اللہ ﷺ عید کے دن سرخ دھاریوں والی چادر زیب تن فرماتے تھے''۔(المعجم الاوسط ۷/ ۳۱۶، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، دیکھئے:سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۳/ ۲۷۴)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ ایک موٹے ریشمی جبہ کو لے کر جو بازار میں فروخت ہو رہا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اسے خرید لیجئے اور عید اور وفود سے ملاقات کے وقت زینت کے لئے پہنا کیجئے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ان لوگوں کا لباس ہے جن کا (آخرت میں) کچھ حصہ نہیں۔(بخاری ۹۴۸،مسلم ۲۰۶۸)

علامہ سندھی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تجویز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عید کے دن زیب وزینت کا اہتمام کرنا ان کے یہاں ایک معروف دستور تھا اور آپ کے اس پر اعتراض نہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ طریقہ (اسلام میں) باقی ہے۔(حاشیۃ السندی علی النسائی ۳/ ۱۸۱)

امام صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:عید میں عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کرنا اور اچھے قسم کی خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے۔ (سبل السلام ۲/ ۱۰۱)

(۳) عیدالفطر میں کھا کر اور عیدالاضحیٰ میں بغیر کھائے نکلا جائے:

سنت یہ ہے کہ عیدالفطر میں طاق کھجوریں کھا کر عیدگاہ کے لئے نکلا جائے اور عیدالاضحیٰ میں بغیر کچھ کھائے نکلا جائے اور عیدگاہ سے لوٹ کر اپنی قربانی سے کچھ کھایا جائے۔

انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن طاق

کھجوریں کھائے بغیر نہ نکلتے تھے۔(بخاری ۹۵۳،ابن ماجہ ۱۷۵۴،ابن خزیمہ ۱۴۲۹)

بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن کچھ کھائے بغیر نہ نکلتے تھے اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے سے پہلے کچھ نہ کھاتے تھے اور مسند احمد میں اتنے الفاظ زیادہ ہیں کہ آپ اپنی قربانی کا گوشت کھاتے تھے۔

(ترمذی ۵۴۲،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: صحیح الترمذی ۱/۳۰۲)

(۴) عیدین کے لئے پیدل چل کر جانا:

عیدین کے لئے پیدل چل کر جانا مسنون ہے۔

سعد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید کے لئے پیدل چل کر جاتے تھے اور پیدل واپس آتے تھے۔(ابن ماجہ ۱۲۹۴،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/ ۲۱۷)

ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید کے لئے پیدل چل کر جاتے تھے۔(ابن ماجہ ۱۲۹۷،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/ ۲۱۸ ح ۱۰۷۳)

علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عید کے لئے پیدل چل کر جانا افضل ہے اس میں خاکساری بھی ہے اور سوار ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔(الاوسط ۴/۲۶۴)

(۵) تکبیرات پکارتے ہوئے عیدگاہ جانا:

مردوں کو عیدگاہ تکبیرات پکارتے ہوئے جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرة ۱۸۵)

اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائی بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن تکبیریں کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جاتے تھے، پھر تکبیریں کہتے رہتے یہاں تک کہ نماز ادا کرلیتے، جب نماز ادا کرلیتے تو تکبیریں کہنا بند کردیتے۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱/ ۴۸۷،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۱/ ۳۲۹ ح ۱۷۱)

نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید کے دن صبح سورج نکلتے ہی عیدگاہ تشریف لے جاتے اور عیدگاہ تک تکبیریں کہتے جاتے، پھر عیدگاہ میں بھی تکبیریں کہتے رہتے یہاں تک کہ جب امام بیٹھ جاتا تو تکبیریں کہنی بند کردیتے۔

(مسند الشافعی ۱/۳۷ ح ۳۱۷)

عورتیں بھی تکبیر پکاریں لیکن اپنی آواز کو پست رکھیں کہ مرد نہ سنیں۔

ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم عید کے دن اپنے گھروں سے نکلیں حتی کہ کنواری لڑکیوں کو بھی پردہ سے باہر نکالیں اور حائضہ عورتوں کو بھی نکالیں، پس وہ مردوں کی پیچھے رہیں اور ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں اور ان کی دعاؤں کے ساتھ دعا کریں، اس دن کی برکت اور پاکیزگی کے حصول کی توقع سے۔

(بخاری ۹۷۱،مسلم،العیدین (۱۱) ۸۹۰)

تکبیرات کی ابتدا اور انتہا:

(۱) عیدالفطر میں تکبیرات کی ابتدا وانتہا:

عیدالفطر میں تکبیرات کہنے کا وقت شوال کا چاند دکھائی دینے کے بعد سے امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک ہے۔

شیخ الاسلام بن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عیدالفطر میں تکبیرات کا آغاز چاند دیکھنے سے اور اختتام عید سے فارغ ہونے پر ہے اور عید سے فارغ ہونے سے-صحیح قول کے مطابق-مراد یہ ہے کہ امام خطبہ سے فارغ ہوجائے۔(فتاوی ابن تیمیہ ۲۴/۲۲۱)

(۲) عیدالاضحیٰ میں تکبیرات کی ابتدا وانتہا:

ذی الحجہ کا چاند دکھائی دینے کے بعد سے ایام تشریق (یعنی تیرہویں ذالحجہ کے اختتام تک) رات اور دن کے کسی لمحہ میں گھر، مسجد، بازار، راستہ وغیرہ میں تکبیرات کہی جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ﴾ (الحج:۲۸)

لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی، دور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے، اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں، ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں، پس تم خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ (البقرة:۲۰۳)

اور اللہ تعالیٰ کو ان گنتی کے دنوں (۱۱،۱۲،۱۳ ذی الحجہ) میں یاد کرو۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "ایام معلومات" سے مراد ذی الحجہ کے دس دن اور "ایام معدودات" سے مراد ایام تشریق (یعنی ۱۱،۱۲،۱۳ ذی الحجہ) ہیں۔

(بخاری، العیدین باب فضل العمل فی ایام التشریق)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ما من أيام أعظم عند الله و لا أحب اليه من العمل فيهن من هذه الايام

العشر فأكثروا فيهن من التهليل و التكبير و التحميد‘‘

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں کئے گئے عمل سے زیادہ کوئی عمل اللہ کے نزدیک محبوب نہیں اور اللہ کے نزدیک اس سے باعظمت کوئی دن نہیں، لہذا تم ان دنوں میں کثرت سے اللہ کی تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) تکبیر (اللہ اکبر کہنا) اور تحمید (الحمد للہ کہنا) کرو۔ (مسند احمد ۲/ ۱۳۱، شعب الایمان ۳/ ۳۵۴)

امام بخاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: عبداللہ بن عمر اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم ان دنوں میں بازار نکلتے تو تکبیر کہتے جاتے اور لوگ ان کے ساتھ ساتھ تکبیر کہتے اور محمد بن علی نوافل کے بعد بھی تکبیر کہتے۔

نیز امام بخاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: منی میں عمر رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ میں تکبیر کہتے، تو مسجد والے ان کی تکبیر کو سن کر تکبیر کہتے (اور مسجد والوں کی تکبیر سن کر) بازار والے تکبیر کہتے، یہاں تک کہ منی تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا تھا۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان سب دنوں میں نمازوں کے بعد اپنے بستر پر، اپنے خیمہ میں، اپنی مجلس اور راستے میں تکبیر کہا کرتے تھے۔

(بخاری، العیدین باب فضل العمل فی أیام التشریق)

۞ تکبیر کے الفاظ:

(أ) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تکبیرات ان الفاظ میں کہتے تھے:

’’الله اكبر، الله اكبر، لا اله الا الله، و الله اكبر، الله اكبر و لله الحمد‘‘ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲/ ۱۶۸، علامہ البانی رحمہ اللہ نے کہا: اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۳/ ۱۲۵)

(ب) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح کہتے تھے:

’’الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر و لله الحمد، الله اكبر و أجل، الله اكبر على ما هدانا‘‘

(سنن الکبری للبیہقی ۳/ ۳۱۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل ۳/ ۱۲۵)

(ج) حافظ بن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الفاظ تکبیر کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح روایت وہ ہے جس کو امام عبدالرزاق نے سلمان رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا:

’’الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر كبيرا‘‘

(فتح الباری ۲/ ۵۳۶)

امام صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تکبیرات کے متعدد طریقوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تکبیرات کی بابت معاملہ کشادہ ہے، مخصوص الفاظ کی پابندی نہیں اور آیت کریمہ کا اطلاق بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ (سبل السلام ۲/ ۱۰۰)

لیکن کسی صحابی سے ثابت شدہ الفاظ میں تکبیرات کہنا زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۶) عیدگاہ ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا:

سنت یہ ہے کہ عیدگاہ ایک راستہ سے جایا جائے اور دوسرے راستہ سے واپس آیا جائے۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن جاتے وقت ایک راستہ اور آتے وقت دوسرے راستہ سے واپس آتے۔ (بخاری ۹۸۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی بعض حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آپ ﷺ عیدگاہ ایک راستہ سے جاتے اور دوسرے راستہ سے واپس اس لئے آتے تھے تاکہ: (۱) اسلامی شعائر کا اظہار ہو (۲) آپ کے لئے دونوں راستے گواہی دیں (۳) ذکر الہی کے اظہار کے لئے (۴) منافقین اور یہود کو غصہ دلانے کے لئے (۵) دونوں راستہ کے لوگوں کو سلام کرنے کے لئے (۶) یا ان کو دینی امور سکھلانے کے لئے (۷) یا صدقہ کرنے کے لئے (۸) یا صلہ رحمی کی غرض سے۔ (فتح الباری ۲/ ۵۴۸)

اور سب سے بڑی حکمت جو ایک مسلمان کے نزدیک قابل اعتماد ہے وہ یہ کہ ایسا کرنے میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی ہے جس کی بابت اللہ تعالی نے فرمایا: ’’تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے‘‘۔ (الشرح الممتع ۵/ ۱۷۱)

☆☆☆

مضمون نویسوں سے گزارش

۱۔ مضمون صاف، خوشخط یا کمپیوٹرائزڈ بھیجیں۔

۲۔ مضمون کی اصل کاپی روانہ کریں۔

۳۔ مضمون کا فوٹو کاپی دفتر کو ارسال نہ کریں، فوٹو کاپی میں بعض حروف مٹ جاتے ہیں جس کی وجہ سے ایسے مضامین کی اشاعت روک دی جاتی ہے۔

۴۔ مضمون نگار حضرات اپنا پورا پتہ اور موبائل نمبر ضرور لکھیں۔

۵۔ کسی مضمون میں اقتباس نقل کرتے وقت کتابوں کا حوالہ ضرور دیں۔

۶۔ قرآنی آیات اور احادیث کی پوری تخریج اور مصادر کا حوالہ ذکر کریں۔

۷۔ کسی دینی مسئلہ پر کوئی مضمون ہو تو اس پر ہر ناحیے سے بحث کرنے کے بعد راجح موقف بیان کریں۔

۸۔ اپنے مضامین میں پر جوش خطیبانہ یا منافرت پھیلانے والے اسلوب سے گریز کریں۔

(ادارہ جریدہ ترجمان)

(مولانا) شمس الحق سلفی
نائب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث جھارکھنڈ

یہ تاریخی ویگانۂ زمانہ کارنامہ
ناممکن نہیں تھا۔مشکل ضرور تھا

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے قیام پر تقریباً ایک سو تیرہ سال گذر گئے۔ بزرگوں کا لگایا ہوا یہ پودہ شجر سایہ دار اور پروقار ہوکر بہت سارے کام کر گیا۔اللہ تعالیٰ سابقین ولاحقین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس چمن کو سدا بہار رکھے۔آمین

ابھی ابھی چند احباب نے یہ بے حد پرمسرت، روح پرور اور تاریخی خبر سنائی کہ اہل حدیث منزل جو اپنی تمام تر خستہ حالی، زبوں حالی، بوسیدگی اور خطرناک حد تک دراز پڑنے اور گرنے کے قریب ہونے کی حالت میں عرصہ سے کسی طرح ڈینٹنگ پینٹنگ اور ترمیم ومرمت کے ذریعہ جیسے تیسے قائم تھی اب اس کی تعمیر نومکمل ہونے کے قریب ہے۔پچھلے دنوں مجلس عاملہ کی میٹنگ کی مناسبت سے تیسری منزل کی ڈھلائی کو دیکھ کر دل سے دعا نکلی تھی اور جو کچھ ہوسکا تعاون بھی بھیجا تھا۔اب احباب زائرین کے ذریعہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ باہر سے دیواریں مکمل ہوگئی ہیں اور بہترین دانا لگنے کے بعد یہ تاریخی عمارت اور تاریخی کام تکمیل کے مرحلے میں ہے۔ اس کے لئے میں نازش قوم وملت اور جماعت امیر محترم جناب اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ کو لاکھوں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کی بہترین ٹیم کو بھی جنہوں نے یہ تاریخی کارنامہ انجام دیا اور اس طرح جماعت کی یہ تاریخی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ اس موقع سے بجا طور پر میں اپنے ہردلعزیز امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی وغیرہ کو یہ مصرعہ نذر کرتا ہوں۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

''ہمت مرداں مدد خدا'' کی ایسی مثالیں کم دیکھنے میں آتی ہے۔احباب واعیان جماعت کو یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب محترم حافظ محمد یحییٰ دہلوی صاحب حفظہ اللہ کی امارت میں جب ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہوئے تھے اس وقت جمعیت لاکھوں کے قرضوں میں ڈوبی ہونے کے علاوہ خود اس اہل حدیث منزل کی عمارت لاکھوں روپے کی لاگت سے مرمت کی راہ دیکھ رہی تھی، ورنہ زمین بوس ہونے کے لیے بے تاب تھی۔اس کسمپرسی کے عالم میں تمام نشاطات کو شروع کرنا، بند پڑے کاموں اور پرچوں کو جاری کرنا اور لاکھوں کے قرضوں کی ادائیگی کے علاوہ نئے منصوبوں پر عمل درآمد ہونا ناممکن لگتا تھا اور تعمیراتی کام تو خواب وخیال تھا۔مگر آپ نے اور آپ کی ٹیم نے ہمت کی اور تاریخی کام ہر سطح پر انجام پائے۔ہمیں یاد ہے کہ آپ نے ہر جگہ اپنے کارناموں کے بارے میں یہی لکھا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور بخشش وکرم سے یہ سب کام بلکہ کارنامے انجام پائے ہیں۔ورنہ احباب جماعت وملت خوب جانتے ہیں کہ اس مہنگائی ،نوٹ بندی، جی ایس ٹی جیسے حالات پیدا ہونے کے بعد محسنین کے تعاون کا معاملہ کتنا دشوار ہے۔ایسے میں اہل حدیث کمپلیکس میں کروڑوں کا عظیم الشان پروجیکٹ شروع ہوا اور اس کی دوسری منزل تک پہنچتے پہنچتے اہل حدیث منزل کی زمین بوسی کا معاملہ درپیش ہونے لگا اور اس کی عارضی بیساکھی کھڑی کرنے کے لیے میدان میں اترے تو عظیم الشان بلڈنگ وجود میں آگئی۔ یہ بہت دل گردے، ہمت وعزم اور حوصلہ اور توفیق کا معاملہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ امیر محترم جیسے اللہ کے شیروں کے ذریعہ ہی کراتا ہے۔

الحمدللہ!امیر محترم کی قیادت میں یہ تاریخی عظیم الشان کام بھی انجام دیا گیا۔اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ وپائندہ رکھے۔آپ نے اہلحدیث کمپلیکس جہاں جنگل راج اور جھاڑ جھنگاڑ کا بسیرا تھا، دیکھتے دیکھتے اس کی باؤنڈری، اس کی بھرائی اور عظیم الشان تین منزلہ مسجد، المعہد العالی للتخصص فی الدراسات الاسلامیہ کی بلڈنگ، لائبریری، کلاس روم، میٹنگ ہال اور طلبہ واساتذہ اور دعاۃ کے لیے ایک الگ عمارت، ڈائننگ ہال، کارکنان کے لیے کمرے اور مطبخ وغیرہ بھی تیار کردیا۔اور سو سال بعد پہلی مرتبہ اپنی زمین پر اپنی عالی شان بلڈنگ میں جمعیت، جمعہ وجماعات اور اجتماعات کو دیکھ کر پورے ہندوستان کی جماعت وجمعیت اور اس کے متعلقین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

بہر حال میں اس عظیم الشان کارنامے پر اور اسے تنگ ومزدحم جگہ میں ہونے کے باوجود اتنی جلدی انجام دینے پر اپنی جانب سے اور اراکین واعیان کی جانب سے بہت بہت مبارک باد دیتا ہوں اور قرضوں کی ادائیگی کے لیے فکرمند ودعا گو ہوں۔اور اہلحدیث منزل جس کے بارے میں طرح طرح کے اندیشے، اس کی بوسیدگی اور زمین بوسی کے خدشے اور افواہیں اور کمنٹس سن کر بھی آپ جس تحمل کے ساتھ اور دوراندیشی، صبر وتحمل اور حکمت ومحبت سے یہ کام کر گئے، یہ ناممکن کہنے والوں کے لیے ایک سبق

ہے۔ یہ تاریخی وعجوبۂ روزگار کارنامے گوناممکن نہیں تھے لیکن مشکل ترین ضرور تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کوتمام فتنوں سے محفوظ رکھے اور آپ کی قیادت میں آپ کی ٹیم سے بہتر سے بہتر کام لیتا رہے۔ متعدد زبانوں مثلاً اردو، انگریزی، ہندی اور بسا اوقات عربی میں بلا ناغہ پرچوں کی اشاعت، کتابوں کی طباعت، تحقیق وتالیف وغیرہ جو وہم وگمان میں نہ تھا وہ بے شمار کارنامے آپ لوگوں نے سخت رکاوٹوں کے باوجود انجام دیئے۔ یہ محض اخلاص، محنت اور ہمت ولگن کا نتیجہ ہے۔ بہار میں ایک قیمتی زمین کس جتن اور لگن سے تنگ دستیوں کی حالت میں کچھ محسنین کے تعاون سے امیر محترم نے اپنے دور نظامت میں خریدی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ اس وقت کروڑ سے زیادہ قیمت کی ہوچکی ہے اور سالانہ آمدنی دے رہی ہے۔ اللھم زد فزد۔ امیر محترم! یقیناً آپ نے جمعیت میں پہلی مرتبہ یہ تاریخی وبے مثال کارنامہ انجام دیا ہے جو آپ کے ساتھ ہم تمام محبان واراکین جمعیت کے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔ ہمیں اللہ کی ذات سے امید قوی ہے کہ اب اُردو بازار جامع مسجد دہلی میں واقع اہل حدیث منزل کی اس عالیشان عمارت کی تکمیل کے بعد اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی کی بڑی عمارت جس کی لاگت کروڑہا کروڑ ہے بھی مکمل ہوگی۔ ان شاء اللہ

امیر محترم! بلا شبہ آپ کی پوری ٹیم، نائب امراء، ناظم عمومی، ناظم مالیات، نائب نظماء اور تمام اراکین، محسنین ومتعلقین اور پوری جماعت اس وقت مبارک باد کی مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے امیر محترم، ان کے مخلص رفقائے کار ومحسنین اور جمعیت کو حاسدوں کی نظر بد سے بچائے۔ اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذبك من شرورھم۔

وُقِـيَ الاميـرُ هَـوى الـعيـونِ فـانـه
مـالا يـزول ببـأسـه وسـخـائـه
ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

☆☆☆

یہ مضمون نگار کے اپنے تاثرات، قلبی واردات اور مشاہدات وتجربات ہیں۔ شکریہ! ورنہ حق یہ ہے کہ یہ کام محض اللہ جل شانہ کی توفیق، محترم رفقائے کار، عہدیداران، امراء ونظماء، اراکین ومحسنین، پوری جماعت اور بہی خواہان ملک و ملت کے تعاون ودعاء سے انجام پائے ہیں۔ جس پر سبھوں کے بے حد مشکور ہوں۔ الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات.
ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ (خادم جماعت، اصغر)

مسلمہ حکومت تلنگانہ

ا۔ **جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدر آباد، لڑکیوں کی دینی وعصری، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، اردو/عربی میڈیم
شعبہ جات: (1) حفظ وناظرہ (2) .L.K.G تا X مع متوسطہ وعالمیت (3) مختصر عالمیت (تین سالہ) دسویں پاس/فیل طالبات کے لئے (4) فضیلت (دوسالہ) داخلہ، تعلیم، قیام وطعام مفت (5) تدریب المعلمات والداعیات والمفتیات (ایک سالہ) برائے فاضلات، تعلیم، قیام وطعام مفت، ماہانہ اسکالرشپ
نوٹ: طالبات جامعہ سند عالمیت سے اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے .B.A میں اور سند فضیلت سے .M.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔
فون نمبرات: 9963635354/8008492052/9346823387/7416536037

مسلمہ حکومت تلنگانہ

(2) **جامعة المفلحات** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدر آباد، لڑکیوں کی عصری اسلامی، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، انگلش میڈیم
شعبہ جات: .L.K.G تا x **مع اسلامک اسٹڈیز** فون نمبرات: 8074001169/9177550406

(3) **جامعة الفلاح** شریف نگر، حیدر آباد لڑکیوں کی دینی وعصری، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، اردو/عربی میڈیم
شعبہ جات: (1) حفظ وناظرہ مع انگلش، سائنس، تلگو وحساب (2) مختصر عالمیت (تین سالہ) مع کمپیوٹر کورس برائے SSC طلبہ (3) فضیلت (دوسالہ) تعلیم قیام وطعام مفت، مع ماہانہ اسکالرشپ
نوٹ: طلبہ جامعہ سند عالمیت سے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے B.A میں براہ راست داخلہ کے مجاز ہیں۔ فون نمبر: 9133428476/9502089170

مسلمہ حکومت تلنگانہ

(4) **فلاح انٹرنیشنل اسکول** شریف نگر، حیدر آباد، لڑکوں کی عصری واسلامی، اقامتی وغیر اقامتی معیاری درسگاہ، انگلش میڈیم
شعبہ جات: Nursery تا x **مع حفظ یا عالمیت** فون نمبر: 9505872810/9133428476

مسلمہ حکومت تلنگانہ

(5) **مرکز الأیتام** کوتہ پیٹ، بارکس، حیدر آباد یتیم لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اسکول وہاسٹل۔ انگلش میڈیم۔ جن لڑکے ولڑکیوں کی عمر 10 سال سے کم ہو اور والد یا والدہ کا انتقال ہوگیا ہو ان کے لئے تعلیم، قیام وطعام، کتب اور یونیفارم کے ساتھ طبی سہولیات کا مکمل انتظام ہے، جس میں سال بھر داخلے جاری ہیں۔
شعبہ جات (1) **حفظ وناظرہ** (2) .L.K.G تا x **مع دینیات** فون نمبرات: 9000002154/8008492052

المعلن: شریف محمد بن غالب الیمانی الاشراف، رئیس الجامعات

مرکزی جمعیت کی پریس ریلیز

(۱)

ذوالقعدہ کا چاند نظر نہیں آیا

دہلی: ۳/ جولائی ۲۰۱۹ء

مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی سے جاری ایک اخباری بیان کے مطابق آج مورخہ ۲۹/شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۳/جولائی ۲۰۱۹ء بروز بدھ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی دہلی کی ایک اہم میٹنگ اہل حدیث کمپلیکس ابوالفضل انکلیو، اوکھلا نئی دہلی میں منعقد ہوئی اور ملک کے اکثر حصے میں ابر آلود ہونے نیز کہیں سے بھی چاند کی رؤیت کی مصدقہ و مستند خبر موصول نہ ہونے کے پیش نظر مرکزی اہل حدیث رؤیت ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل مورخہ ۴/جولائی ۲۰۱۹ء بروز جمعرات شوال کی ۳۰ تاریخ ہوگی۔ اور ۵/جولائی ۲۰۱۹ء سے ماہ ذوالقعدہ کا آغاز ہوگا۔ ان شاء اللہ

(۲)

ناگپور کی معروف سماجی و تعلیمی شخصیت محمد یونس انصاری کا انتقال پرملال

دہلی: ۱۶/ جولائی ۲۰۱۹ء

مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی نے ناگپور کی معروف سماجی و تعلیمی شخصیت، اردو فارسی کے شاعر و ادیب، مجلس مدرسہ اسلامیہ ناگپور کے بانی و سکریٹری اور قدوائی ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی ناگپور کے صدر اور مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز صاحب کے بڑے برادر نسبتی اور سمدھی اور بہت سے ملی و تعلیمی و سماجی خدمات کے شریک عمل جناب حافظ محمد یونس انصاری صاحب کے انتقال پر گہرے رنج وافسوس کا اظہار کیا ہے اور ان کی موت کو بڑا علمی، ادبی، تعلیمی، سماجی اور قومی وملی خسارہ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ جناب محمد حافظ یونس انصاری صاحب ایک تعلیمی اور سماجی شخصیت تھے اور مقامی سطح پر کافی سیاسی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ متعدد تعلیمی و تربیتی اداروں سے وابستہ رہے۔ آپ مجلس مدرسہ اسلامیہ ناگپور اور اس کے تحت قائم اسلامیہ اردو پرائمری اسکول، اسلامیہ اردو ہائی اسکول اور اسلامیہ جونیئر کالج آف سائنس کے بانی سکریٹری اور قدوائی ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی اور اس کے تحت چل رہے تعلیمی وتربیتی اداروں قدوائی پرائمری اسکول، قدوائی ہائی اسکول اور قدوائی جونیئر کالج آف آرٹس اینڈ سائنس کے صدر تھے۔ آپ نے پوری زندگی تعلیم کی روشنی پھیلانے اور سماجی خدمات کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اردو اور فارسی زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے۔ اردو و فارسی شعری مجموعہ بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ذمہ داران سے بڑی محبت کرتے تھے اور جمعیت کے کاز سے دلی لگاؤ رکھتے تھے۔ کل بعد صلاۃ عشاء آبائی وطن ناگپور میں بعمر ۸۵ سال انتقال ہوگیا۔ اور آج بعد نماز ظہر تدفین عمل میں آئی۔ چونکہ حافظ محمد یونس انصاری صاحب مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے ناظم مالیات الحاج وکیل پرویز صاحب کے رفیق دیرینہ اور دونوں خاندان کے سرپرست تھے اور تمام تعلیمی اداروں کے قیام و بقا اور تعمیر وترقی میں ہم سفر وہم رکاب تھے اور دونوں کے امتزاج وہم مزاج اور ہم آواز ہونے کی وجہ سے یہ کارواں تیز گام تھا۔ اس لیے اس صدمہ جانکاہ سے الحاج وکیل پرویز صاحب، ان کی اہلیہ اور ان کے خانوادے کو عظیم صدمہ پہنچا ہے۔ پسماندگان میں چار بیٹے اور متعدد پوتے پوتیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، خدمات کو قبول کرے۔ جنت الفردوس کا مکین بنائے، پسماندگان خصوصا الحاج وکیل پرویز صاحب اور ان کی اہلیہ کو صبر وسلوان عطا کرے۔

پریس ریلیز کے مطابق مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی ودیگر ذمہ داران وکارکنان نے محمد حافظ یونس انصاری صاحب کے انتقال پر قلبی تعزیت پیش کی ہے اور ان کی بلندی درجات کے لیے دعاگو ہیں۔

مکتبہ ترجمان کی تازہ پیشکش

نکاح نامہ رجسٹر

- ☆ کتاب وسنت کی روشنی میں تیار شدہ
- ☆ مارکیٹ میں دستیاب تمام نکاح ناموں سے منفرد۔
- ☆ نکاح سے متعلق بنیادی احکام ومسائل سے آراستہ
- ☆ نہایت دیدہ زیب اور آرٹ پیپر پر طباعت
- ☆ ہر مسجد ومدرسہ کی بڑی ضرورت۔

اوراق: 150   قیمت: Rs.200/-Net